رباعیات شہباز

مرتب
ذکی الحق

صراحت

سال ترتیب اول ——— ۱۸۹۰ء

سال اشاعت اول ——— 1891

سال ترتیب دوم ——— ۱۳۹۷ھ

سال اشاعت دوم ——— ۱۹۸۴ء

تعداد اشاعت دوم ——— ۵۰۰

قیمت ——— بارہ روپے

خوش نویس : جناب صوفی صاحب

〃 جناب عبدالباقی صاحب

نام مطبع اشاعت دوم : ——— ملت پریس سلطان گنج، پٹنہ ۶

مرتب کا پتہ : ——— حق منزل، درگاہ شاہ ارزاں لین، پٹنہ ۶

ملنے کے پتے
۱ کتاب منزل، سبزی باغ، پٹنہ ۴۔۔۔۔۸
۲ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ ۴۔۔۔۔۸
۳ گل مہر بک ہاؤس، سبزی باغ، پٹنہ ۴۔۔۔۔۸
۴ اقبال بک ڈپو، رمنہ، پٹنہ ۵۔۔۔۔۸
۵ قاسمی بک ڈپو، پیر بہور، پٹنہ ۵۔۔۔۔۸

شاملات

فکرِ شہباز

نکتے ہزاروں طرح کے ہیں صفحے صفحے میں بھرے
اس نسخے کے ہر صفحے پر لازم ہے غور انساں کرے

عینک لگائی اور نہیں گر دیدۂ بینا تو کیا؟
سب کچھ ہو اپنا اور نہیں گر علم ہی اپنا تو کیا؟

مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز مرحوم

صحت نامہ

[رباعیات شہبانہ مرتبہ ڈاکٹر ذکی الحق]

صفحہ ط - سطر آخر - باقیات شہبانہ ڈاکٹر سید صابر حسن ۱۹۸۲ء

		صحیح	غلط
ص ۱۹	سطر اول	مفید	یہ لفظ طباعت سے رہ گیا
ص ۲۰	سطر ۵	مرقعہائے	مرقعھائے
ص ۴۲	رباعی ۵۲	تبریز	توبیز
ص ۵۶	رباعی ۱۲۶	معانی	امعانی
ص ۵۸	رباعی ۱۳۳	کمال	کماں
ص ۶۳	رباعی ۱۶۲	کیوں کر	کیوں گر
ص ۶۶	رباعی ۱۷۵	جیسے...کی	جسے.بی
ص ۶۶	رباعی ۱۷۷	حلیب	طباعت صاف نہیں ہے
ص ۶۸	رباعی ۱۸۵	سروع	شروع
ص ۷۱	رباعی ۲۰۲	حصول المطلوب	حصول الطلوب
ص ۷۱	رباعی ۲۰۳	رموزِ رحمت	رمور رحمت
ص ۷۲	رباعی ۲۰۹	افراد	افرار
ص ۷۴	رباعی ۲۱۸	ڈاک کے تھیلے جیسے	ڈاک کہ تھیلے سیسے
۷۶	رباعی ۲۲۸	ولایت	ولادیت
ص ۸۰	رباعی ۲۴۷	سلوک	سلو
ص ۸۷	رباعی ۲۸۸	ہے	سے
ص ۹۱	رباعی ۳۰۶	بیٹھے	بیھٹے
ص ۹۲	رباعی ۳۱۰	چمکتا	چمکنا

عرضِ مرتب

اردو نظم و نثر کے بے شمار قابل قدر مخطوطے زیور طبع سے آراستہ ہونے کی بجائے دیمکوں اور کیڑوں کی خوراک بن گئے۔ طباعت اور اشاعت کی سہولتیں فراہم ہونے کے باوجود قلمی کتابیں اب بھی عدم توجہی کے سبب ضایع اور تلف ہو رہی ہیں۔ اسی طرح قدیم مطبوعات بھی جو ہماری تہذیبی میراث ہیں کمیاب اور نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ "رباعیات شہباز" اسی طرح کی قدیم تصنیف مطبوعہ ۱۸۹۱ء ہے جو کمیاب اور عام دسترس سے باہر ہے۔

محترم قاضی عبدالودود بار ایٹ لا نے عرصہ ہوا کہ قدیم و کمیاب قلمی اور مطبوعہ کتابوں کی نمائش کا اہتمام کیا تھا۔ انجمن اسلامیہ ہال مراد پور پٹنہ میں کتابیں قرینے سے میزوں پر سجائی گئیں۔ نمائش میں جو کتابیں پیش ہوئیں ان کی ایک فہرست بھی تیار ہوئی اور طباعت کے مرحلوں سے گزر کر منظر عام پر آئی۔ عزت مآب ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم ان دنوں بہار کے راج پال تھے۔ ان کو مہمان خصوصی کی

حیثیت سے نمائش میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کتابوں کے شیدائی اور قدرداں تھے۔ وہ تشریف لائے اور کافی دیر تک نمائش میں پیش کی جانے والی کتابوں کے جائزہ اور مطالعہ میں مصروف رہے۔ اس موقع پر انہوں نے اپنی گفتگو میں اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ نادر مخطوطات کے ساتھ کمیاب مطبوعات کی اشاعت کی طرف خصوصی توجہ دی جانی چاہیئے۔ وہ انتخاب اور تلخیص کو اعلیٰ درجہ کی ادبی خدمت نہیں شمار کرتے تھے۔ معزز مہمان کی بصیرت افروز گفتگو نے تحقیق و تنقید کی راہ پر گامزن حضرات کے ذوق و شوق میں اضافہ کیا۔ زبان و ادب سے وابستہ نوجوان طبقہ، خصوصی طور پر دریافت و تحقیق کی طرف متوجہ ہوا۔ محترمی قاضی عبدالودود، پروفیسر سید حسن عسکری، مکرمی فصیح الدین بلخی، پروفیسر سید شاہ عطاء الرحمٰن، پروفیسر کلیم الدین احمد، اور پروفیسر سید حسن صاحبان مخطوطات کی تدوین، تصحیح، اور ان کی اشاعت کی افادیت کے پہلے ہی سے قائل تھے، اور اس سمت جادہ پیما تھے۔ معاصر، پٹنہ کے شماروں میں قدیم مخطوطات اور کمیاب مطبوعات کے تعارف ان کے اقتباسات اور کئی تذکرے شائع ہوئے۔ مرتب کو بھی ان بزرگوں کی قربت کا شرف حاصل ہے۔ وہ پہلے ہی سے غزلیات میر حسن کی دریافت، تدوین اور تصحیح کے کام میں لگا ہوا تھا۔ پروفیسر سید مسعود حسن رضوی لکھنؤ، محترم امتیاز علی خاں عرشی، رامپور، پروفیسر عبدالقادر سروری، حیدرآباد دکن، پروفیسر محی الدین زور، حیدرآباد، سید احتشام حسین لکھنو، پروفیسر آل احمد سرور،

علیگڈھ سے بھی میر حسن سے متعلق تحقیقی کام کے سلسلے میں کئی بار طویل ملاقاتوں اور حصول فیض کے مواقع ملے۔ مذکورہ بزرگوں نے بھی مرتب کے مذکورہ تحقیقی موضوع کو پسند فرمایا اور ان بزرگوں نے بھی مخطوطات کی تدوین، و اشاعت کی اہمیت پر زور دیا اور ساتھ ساتھ کمیاب مطبوعات کی دوبارہ اشاعت کی افادیت اور اہمیت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

الحمد اللہ غزلیات میر حسن کی تدوین، و تصحیح کا کام مکمل ہوا۔ تذکروں کی روشنی میں میر حسن کی شخصیت اور ان کی غزلوں کی اہمیت سے متعلق ایک طویل مقالہ بھی تیار رہوا غزلیات میر حسن طباعت کے مرحلوں سے بھی گزری لیکن فقدان تجربہ کے سبب اس کی طباعت پسند کے مطابق نہ ہوسکی۔ اس کے چند نسخے مختلف اوقات میں محترمی قاضی عبدالودود صاحب کی خدمت میں حکّ اصلاح کی غرض سے پیش ہوئے۔ غزلیات میر حسن کے تین مطبوعہ نسخے پٹنہ یونیورسٹی میں ڈی لٹ کے لئے داخل ہوئے۔ باقی ماندہ تمام مطبوعہ نسخوں کو تلف کر دیا گیا۔ بہار اردو اکادمی کے مالی اشتراک و تعاون سے غزلیات میر حسن مع مقدمہ (جملہ تیرہ سو صفحات) کتابت اور طباعت کے مرحلے میں ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آجائے گی۔

"رباعیات شہباز" کمیاب مطبوعہ تصانیف کی اشاعت نو کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ پہلے کاتب کی جستجو ہوئی۔ بہار کے سب سے بہتر کاتب جناب صوفی صاحب کا پرخلوص تعاون حاصل ہوا۔ انہوں نے عرصہ ہوا

فراہم شدہ مواد کی کتابت فرما دی، لیکن نامساعد حالات کے سبب کتابت اور طباعت کے درمیان، دنوں اور مہینوں کا نہیں بلکہ سالوں کا طویل وقفہ حائل ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شگفتہ کتابت کا حسن پژمردہ ہو گیا، صوفی صاحب کو اس کا ملال ہوا ہوگا۔ وہ ناخوش تو نہیں ہوئے مگر ان کی بے پناہ مصروفیت کے سبب عرض مرتب، مقدمہ، اور ابتدا کے چند صفحات کی کتابت کے لئے جناب عبدالباقی صاحب کو راضی کیا، وہ بھی فن کتابت کے استاد اور پرخلوص انسان ہیں، "رباعیات شہباز" کے باقی ماندہ صفحات کی کتابت کے لئے راضی ہو گئے، لیکن ایک شرط پیش کی وہ یہ کہ طباعت کا کام فوراً شروع کر دینا ہوگا۔ ملت آرٹ پریس، سلطان گنج پٹنہ ۶ ایک نیا مطبع ہے۔ لیکن اس کے سرپرست و نگراں جناب ذکریا فاطمی صاحب امور طباعت کا دیرینہ تجربہ رکھتے ہیں انہوں نے طباعت کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ جناب موصوف کی توجہ خاص، اعجاز مسیحائی سے ہرگز کم نہیں۔ مریض کہنہ کو شفا مل گئی، رباعیات شہباز کے مسودوں اور کاپیوں کو جو دم توڑ رہی تھیں، نئی زندگی مل گئی، اب رباعیات شہباز کی اشاعت آپ کے سامنے ہے۔ مرتب کو اس کا اعتراف ہے کہ رباعیات شہباز کی معنوی اور صوری حیثیت میں مطابقت نہیں ہو سکی اس تفاوت اور بعد المشرقین کا ذمہ دار خود مرتب ہے، اور اس کے لئے مرتب معذرت خواہ ہے۔

مرتب نے قارئین کی واقفیت کے لیے "نگارشاتِ شہباز" اور "ذکرِ شہباز" کے تحت کچھ معلومات فراہم کر دی ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ شہباز کے سلسلے کی مزید معلومات سے مرتب کو آگاہ فرمائیں۔ اس کے لئے مرتب شکر گزار ہوگا۔

نگارشات شہباز

(فہرست)

۱- مقدمہ (بزبان فارسی) دیوان فارسی سید محمود آزاد

۲- مقالات جمالیہ - حضرت جمال الدین افغانی کے مقالات کا مجموعہ مرتب شہباز

۳- موعظ حسنہ : خطوط ڈپٹی نذیر احمد مرتبہ شہباز

۴- رباعیات شہباز ۱۸۹۱ء

۵- کلیات نظیر اکبرآبادی و زندگانی بے نظیر ۱۸۹۲ء

۶- خیالات شہباز (مجموعہ کلام شہباز) ۱۹۱۶ء

۷- مقدمہ خیالات آزاد ۲½ صفحات ۱۸۸۷ء

۸- مقدمہ مولانا آزاد، ۱۱ صفحات ۱۸۹۱ء

۹- تفریح القلوب ۱۹۴۱ء

۱۰- بیاض شہباز نسخہ قلمی مملوکہ سید نجیب اشرف ندوی۔ بیاض ہذا کی نقل مرتب کے پاس محفوظ ہے۔

۱۱- بیاض شہباز مخزونہ خدابخش اورنٹل پبلک لائبریری۔ بیاض ہذا کی نقل مرتب کے پاس محفوظ ہے

۱۲- مثنوی جہاز عشق

۱۳- مثنوی پنجہ خورشید

۱۴- مسدس شہباز

۱۵- مکاتیب شہباز مرتبہ ڈاکٹر ممتاز احمد۔ ۱۹۸۲ء

۱۶- نامۂ شوق مرتبہ پروفیسر صابر حسین ۱۹۸۱ء

۱۷- ڈنڈوے کی سرگذشت۔ مخاطر-

مرسلہ منظفر اقبال

ذکر شہباز

۱۸۹۰ء	سید محمد آزاد — دیباچۃ الرباعیات شہباز	۱-
	سید افتخار عالم مارہروی — ہو الغفور (بطور مقدمہ)	۲-
۱۹۱۶ء	خیالات شہباز	
۱۹۲۹ء	عبد الباری آسی — شہباز — تذکرہ خندۂ گل	۳-
۱۹۴۰ء	لالہ سری رام — شہباز — خمخانہ جاوید جلد پنجم	۴-
۱۹۴۱ء	شیخ سر عبد القادر لاہور — دیباچہ — تفریح القلوب	۵-
	معین دردائی — شہباز — بہار میں اردو	۶-
۱۹۵۳ء	غلام یزدانی کراچی — شہباز — ساقی کراچی	۷-
	محمد ذکی الحق — عبد الغفور شہباز —	۸-
۱۹۵۵ء	ریسرچ جرنل، پٹنہ یونیورسٹی	
۱۹۶۰ء	سید اختر احمد اورینوی — شہباز کی شاعری — معاصر ۱۷	۹-
۱۹۶۲ء	سید اختر احمد اورینوی — شہباز کی شاعری معاصر ۱۸	۱۰-
۱۹۶۴ء	سید اختر احمد اورینوی — شہباز کی شاعری معاصر ۱۹	۱۱-

۱۲- پروفیسر محمد مسلم صادق پوری مقیم کراچی۔ یاد شہباز، ساقی جنوری ۱۹۶۴ء

۱۳- پروفیسر محمد مسلم صادق پوری مقیم کراچی۔ شہباز و آزاد، نگار مئی ۱۹۶۵ء

۱۴- ڈاکٹر وحید قریشی — شہباز — اردو کا بہترین انشائی ادب ۱۹۶۴ء

۱۵- سلیم جعفری — تذکرہ شہباز —
گلزار نظیر، ہندوستانی اکیڈمی الٰہ آباد ——

۱۶- وفا راشدی — شہباز — بنگال میں اردو ——

۱۷- سلطان آزاد۔ عبدالغفور شہباز، دبستان عظیم آباد ۱۹۸۲ء

۱۸- اختر حسن ریڈر شعبہ اردو، مقالہ پی ایچ ڈی، بہار یونیورسٹی ——

۱۹- ڈاکٹر مظفر اقبال — ذکر شہباز — بہار میں اردو نثر کا ارتقا ——

۲۰- اعظم الحق داؤدی — شہباز بحیثیت نظم نگار
مقالہ پی ایچ ڈی پٹنہ یونیورسٹی ۱۹۸۳ء

———— ❖ ————

مقدمہ

مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز کی رباعیوں کا ایک مجموعہ
بنام۔ "رباعیات شہباز" پہلی بار ۱۸۹۱ عیسوی میں کلکتہ سے شائع ہوا تھا
اب وہ مطبوعہ نسخہ کمیاب ہے۔ میرے پاس ذاتی ذخیرہ کتب میں اس کا ایک
نسخہ تھا لیکن نذر احباب ہوکر معدوم ہوگیا۔ خدا بخش پبلک اورینٹل لائبریری
پٹنہ کے ذخیرہ الاصلاح لائبریری، دیسنہ، میں رباعیات کا وہ کمیاب مطبوعہ
نسخہ موجود ہے ایک زمانہ دراز سے میری یہ خواہش تھی کہ مذکورہ مجموعہ رباعیات
دوبارہ طبع ہو۔ اور منظر عام پر آسئے۔ اس خیال کے پیش نظر اس کی ایک نقل
بھی تیار کی تھی، کسی فرصت اور اطمینان کے وقت کا انتظار تھا لیکن وقت نے
ساتھ نہ دیا، ناساز حالات نے مہلت نہ دی، روز و شب ہفتوں مہینوں
اور سالوں میں تبدیل ہوتے رہے۔ بہر حال گردشِ زمانہ نے قدرے مہلت
بخشی تو بکھرے ہوئے مواد اور انتشار کی کھتونی کی، وہ منتشر اوراق بھی

لے جن میں رباعیات شہباز کی پوری نقل تھی۔ بہت خوشی ہوئی، دوبارہ نقل کی محنت سے بھی بچ گیا۔

مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز سے متعلق میرا ایک مضمون[1]، پٹنہ یونیورسٹی کے ایک ریسرچ جرنل میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد محترمی پروفیسر محمد مسلم (مرحوم) صادقپور، پٹنہ مقیم کراچی کا ایک مضمون[2] ماہنامہ ساقی، کراچی، نظر سے گزرا۔ اس کے بعد ڈاکٹر سید اختر احمد اورینوی، صدر شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ نے شہباز کی علمی اور ادبی خدمات کے بارے میں ایک طویل مضمون[3] لکھا جو معاصر پٹنہ میں شائع ہوا۔ میرے پاس شہباز کی ادبی تخلیقات اور تالیفات کے درج ذیل مجموعے محفوظ ہیں:

(۱) خیالات شہباز (۲) رباعیات شہباز
(۳) تفریح القلوب (۴) بیاض شہباز[4]
(۵) بیاض کلام شہباز[5] (۶) خیالات آزاد مع دیباچہ شہباز
(۷) نوائی دربار مع دیباچہ آزاد

عبدالغفور شہباز کی رباعیاں، ان کے "مجموعہ رباعیات" کے علاوہ

---

[1] ریسرچ جرنل پٹنہ یونیورسٹی ۱۹۵۵ء نمبر ۲ صفحہ ۴۸ تا ۵۸ [2] ساقی جنوری و فروری ۱۹۶۴ء کراچی ص ۲۰ تا ۲۷

[3] معاصر شمارہ [4] نقل نسخہ خطی مخزونہ کتبخانہ خدابخش پٹنہ [5] نقل نسخہ خطی مملوکہ پروفیسر نجیب اشرف ندوی مرحوم دیسنوی، مقیم بمبئی۔

مذکورہ شعری مجموعوں اور بیاضوں میں نہیں ملتیں۔ رباعیات شہباز سنہ ۱۸۹۰ء
میں مکمل ہو چکی تھی۔ یہ اس لئے کہ نواب سید محمد آزاد کے "دیباچہ الرباعیات"
کے آخر میں باقی پور ۲۴ نومبر سنہ ۱۸۹۰ عیسوی درج ہے۔ اس وقت شہباز
کی عمر تقریباً ۳۴ یا ۳۵ سال تھی۔ اس مجموعہ میں ۳۴۷ رباعیاں ہیں۔ شہباز
کی وفات دسمبر سنہ ۱۹۰۸ عیسوی میں ہوئی۔ اس لحاظ سے ان کی عمر کی آخری
دو دہائیں کی رباعیوں کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ یہ تعجب اور حیرت کی بات ہے
کہ ایک پرگو شاعر اپنی عمر کی چونتیسویں منزل میں ۳۴۷ رباعیوں کی تخلیق کا
باعث ہے اور اس کے بعد ایک بھی رباعی نہ کہے۔ یہ ضروری ہے کہ سنہ ۱۸۹۰ء
کے بعد کے اخباروں، جریدوں، رسالوں، ماہناموں اور گلدستوں میں
ان کی تخلیقات ادبی کی جستجو اور تلاش کی جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو قرینہ
غالب ہے کہ کچھ نئی چیزیں دریافت ہونگی ساتھ ساتھ اس کا بھی امکان ہے
کہ کچھ نئی رباعیاں بھی دستیاب ہوں۔

بہرحال رباعیات شہباز کی دوبارہ طباعت اور اشاعت کا کام
انجام پا رہا ہے۔ اس طرح میری ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل میرے لئے باعث
مسرت ہے۔ آج کی نئی نسل کے لوگ شہباز کو بھولتے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ
ان کے مجموعۂ رباعیات سے جو گلدستۂ ظرافت و طنز ہے۔ لطف اندوز ہونگے
اور ان کے دلوں میں شہباز کے قابل قدر ادبی مرتبے کا احساس
پیدا ہوگا۔

(۲)

سید محمد عبدالغفور شہباز اپنی ادبی خدمات کے سبب برصغیر ہند و پاکستان میں شہرت کے مالک ہیں۔ انیسویں صدی کی آخری چوتھائی ان کی ادبی شہرت کا عہد زریں ہے۔ ان کا ابھی عنفوان شباب ہی تھا کہ انہیں ادب سے شغف ہوگیا۔ وہ تقریباً ۲۲ سال کی عمر میں کلکتہ کے مشہور اخبار دارالسلطنت کے مدیر بحال ہوئے۔ ان کی وفات کے موقع پر کلکتہ کے روزنامہ انگلش مین (مورخہ ار دسمبر ۱۹۰۸ء) کے مدیر نے لکھا تھا۔

"It may be of interest to maintain that while still a very young man, Shahbaz became the first editor of DARUS-SALTANAT ______ the first Urdu journal started in the Metropolis of India"

چند سال بعد تقریباً ۱۸۸۳ء میں شہباز نے ایک دوسرے جریدے کی ادارت اپنے ذمے لی، اس کا نام ـ نمائش ـ تھا۔ وہ ایک دردمند دل اور ہوشمند دماغ کے مالک تھے۔ وہ شاعر اور انشا پرداز بھی تھے۔ ان کی

علمی اور ادبی مصروفیات کا دائرہ وسیع تھا۔ انہوں نے شعر و سخن کے ساتھ ساتھ اردو نثر کی طرف بھی توجہ دی۔ لالہ سری رام مصنف تذکرہ خمخانہ جاوید، حضرت شہباز کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں۔

"مولوی عبدالغفور صاحب قابل ادیب اور انشاء پرداز تھے کلکتہ کے اخبار دار السلطنت اور اردو گائڈ میں خوش بیانی اور شوخ نگاری کے نمونے دکھا چکے ہیں، جناب سید محمد صاحب آزاد کے رفیق تھے اور وہ ان کی قدر کرتے تھے۔ حضرت آزاد مرحوم نے جو ظریفانہ مضامین اودھ پنچ میں لکھے تھے انہیں آپ نے "خیالات آزاد" کے نام سے مرتب کرکے چھپوا دیا ہے۔ بنگالی مسلمانوں میں قابل انگریزی داں تھے اورنگ آباد کے کالج میں علم طبعیات کے پروفیسر مقرر کئے گئے۔ طبیعت مضمون نگاری اور شاعری کے مناسب تھی، ان کی اکثر مزیدار نظمیں اودھ پنچ کے دور آخر میں شائع ہو چکی ہیں۔ نظامی پریس بدایوں نے ان کو مجموعی شکل میں خیالات شہباز کے نام سے شائع کیا۔ نظیر اکبر آبادی کی سوانح عمری یعنی زندگانی بے نظیر بھی انہیں کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔ رباعیات کا مجموعہ بھی چھپ چکا ہے انہوں نے زمانہ کی رفتار کو دیکھتے ہوئے بعض مغربی استعارات

و تشبیہات کا استعمال کیا ہے۔ اور صدیوں کے فرسودہ
خیالات سے اپنی شاعری کو بچایا ہے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال
ہو گیا۔"

شہباز ایک زبردست تخلیقی صلاحیت کے مالک تھے۔ ان کا تنقیدی
اور تحقیقی شعور بھی بہت پختہ نہ سہی، بیدار ضرور تھا۔ وہ ادب کی افادیت
کے قائل تھے۔ ان کے خیال میں فرسودہ روایتی غزلیں اور قصیدے قوم
اور ملت کے لئے مفید نہیں رہے تھے۔ اس سلسلہ میں شہباز کی ایک نظم
کا ایک بند قابل توجہ ہے:

ہے بوئے عیاشی سڑی غزلوں کے منہ سے آ رہی
کس منہ سے تو نے بے غزل اب اس زمانے میں کہی
پھینک آ قصائد مدح کے باقی نہیں عہد شہی
رشتہ ہدایت کا پکڑ وہ چھوڑ اگلی گمرہی

تہذیب کا یہ دور ہے اس مے سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں مست رہ، مستی میں بھی ہشیار رہ

شہباز کو موضوعاتی نظموں اور رباعیوں کی افادیت کا بھی شدید احساس تھا۔
ان کے سنجیدہ، ظریفانہ اور طنزیہ کلام کا بیشتر حصہ ان کی موضوعاتی نظموں پر
مبنی ہے۔ انہوں نے اپنی نظموں کے لئے عام طور پر مثنوی کا فارم اختیار کیا
اور رباعی کی طرف خصوصی توجہ کی۔ وہ رباعی کی عظمت اور اس کی اہمیت سے

واقف تھے۔ انہوں نے جو رباعیاں لکھی ہیں ان میں کچھ ظرافت بردوش ہیں، کچھ طنز کی تلخیوں سے بھرپور ہیں، اور کچھ ایسی شگفتہ رباعیاں بھی ہیں جو اصلاح تمدن کے مقاصد کی حامل ہیں۔ شہباز کے مجموعہ رباعیات کا دیباچہ ان کے مخلص معاصر نواب سید محمد آزاد نے لکھا ہے آزاد کے "دیباچہ الرباعیات" کا ایک مختصر قابل توجہ اقتباس درج ذیل ہے:

"حضرت شہباز کی رباعیوں کی مجموعی قوت، دلنشیں اثر، پرمنفعت دلفریبی اور نتیجہ بخش دلچسپی ایسی نہیں ہے کہ کوئی کوڑھ سے کوڑھ طبیعت بھی ان کی لذت سے محروم رہ سکے۔ اور اس گلشن معنی کی سیر کے بعد اپنے دامن امید کو پھولوں سے خالی پائے۔ اس گلستان دانش و اخلاق فشاں کے ترتیب دینے اور آراستہ بنانے اور رونق بخشنے میں مصنف کے نہایت خوش سلیقہ باغبان طبیعت کو بڑی مشقت، پتّے مرے کی تلاش اور بڑی کاوش ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں سب سے زیادہ رعایت اس کی کی گئی ہے کہ ہر مذاق، ہر خیال ہر روش اور ہر رنگ کے آدمی کا اس کی گلگشت سے جی بہلے اور ہر مزاج کو اس کی سیر سے تفریح حاصل ہو۔

. . . .

رباعیوں کے اس مختصر دیوان کے غور اور انصاف سے

پڑھنے کے بعد انجمن سخن میں کیا کوئی کافر ایسا ہو سکتا ہے جو
مصنف کی فکر بلند، طبیعت خداداد، طرز نو ایجاد اور پاکار
مشق سخن اور کامل استعداد کا کلمہ نہ پڑھے؟ ....

.... ہم امید کرتے ہیں کہ یہ نو طرز اور مقید
رباعیاں جدید و قدیم دونوں مذاق کے صاحبانِ طبع سلیم
کو بہت پسند ہونگی۔

رباعی ایک مشکل صنف نظم ہے۔ فارم کے اعتبار سے رباعی چہار مصرعوں کی ایک ایسی مربوط نظم ہے جس میں منطقی استدلال کا پایا جانا ضروری ہے عروضی پیکر کے اعتبار سے اس کے پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعوں کا ہم قافیہ اور ہم ردیف ہونا لازمی ہے۔ اس کے لئے مخصوص عروضی اوزان بھی مقرر ہیں۔ ان پابندیوں کے پیشِ نظر اس کی مشکل پسندی ایک مسلمہ حقیقت ہے، رباعی کے چمن زار میں عام طور پر شعرا کا پھولنا پھلنا آسان نہیں ہے۔

"رباعی ایک مشکل صنف سخن ہے۔ اس پر قابو پانا آسان
نہیں ہے۔ دراصل اس کے لئے نظر کی وسعت اور شعور کی
پختگی کی ضرورت ہے جب شاعر کہنہ مشق ہو جاتا ہے۔ یہی
وجہ ہے کہ نو مشق شعرا اس صنف میں ناکام رہتے ہیں"[1]

---

[1] اردو رباعیات از ڈاکٹر سلام سندیلوی صفحہ ۶۰۔

حضرتِ کیفی چریا کوٹی رباعی کے بارے میں یہ لکھتے ہیں:

"رباعی کا میدان اتنا تنگ ہے، قدم قدم پر سنگ ہائے راہ، ہر راہ رو کے لئے ہمت آزما ہیں بلکہ حوصلہ فرسا ہیں تفصیل یہ ہے۔ رباعی کی بحریں محدود ہیں، مضامین معین اور وسعت مختصر، اسلئے مجموعی حیثیت سے کامیاب ہونا ہر شخص کا کام نہیں، چار مصرعے اس طرح ہوتے ہیں کہ چوتھا نتیجہ ہوتا ہے اور تین مقدمے۔ پھر ان کا باہم مربوط ہونا از بس ضروری ہوتا ہے۔ یہ مضمون رباعی ادا کرتی ہے وہ اس طرح کہ پوری تفصیل مجمل اجمال میں آجاتی ہے۔"[۱]

حضرت جوش ملیح آبادی اور تلوک چند محروم نے رباعی گو شعراء کے لئے مشق سخن، پختگی عمر۔ اور بالغ نظری کی شرط لگائی ہے۔

(۲الف) "رباعی کہنا بڑا ہی مشکل ہے، یہ وہ کم بخت صنفِ سخن ہے کہ بڑے بڑے بہادروں کو سپر انداختہ کر دیتی ہے اور یہ کافر صنف بڑے بڑوں کے بھی قابو میں اسوقت تک نہیں آتی ہے جب تک کہ زمانے کی سرد و گرم ہوائیں شاعر کی حساس اور متفکر زندگی کے

---

۱ خزینۂ رباعیات از شفیق عماد پوری صفحہ ب ۲ رباعیات محروم از ملنشی تلوک چند محروم --- دیباچہ از جوش ملیح آبادی

تقریباً چالیس پچاس ورق نہیں الٹ دیتی ہے۔

(ب) رباعی ایسی کم بخت چیز ہے جو سامنا جو بن کھائے تو ایک بالک بالے کی طرح چالیس پچاس برسوں کی مشاقی کے بعد کہیں جا کر قابو میں آتی ہے[1]

(ج) رباعی لکھنے کے لئے کافی مشق سخن اور پختگی عمر کی ضرورت ہے اور یہی وجہ ہے کہ عام طور پر شاعر کی زندگی میں رباعی گوئی کا دور آخر میں آتا ہے۔[2]

غرض کہ رباعی ایک مشکل صنف سخن ہے۔ اس کے اپنے فنی تقاضے ہیں جو عمر کی پختگی سخن کی مشاقی اور شعور کی بالیدگی کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے۔ یہ صنف تخیل کی بلندی اور اظہار و ابلاغ کی پختگی چاہتی ہے۔ عبدالغفور شہباز اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب تھے کہ ۳۴ یا ۳۵ سال کی ہی عمر میں ان کی تقریباً سوا تین سو رباعیوں کا مجموعہ تیار ہو گیا اور منظر عام پر بھی آگیا۔ ان کے تخلیقی اور تنقیدی شعور میں ہم آہنگی تھی، وہ غزل کے نہیں نظم اور رباعی کے مرد میدان تھے رباعی سے انہیں طبعی مناسبت تھی۔ انہوں نے مختلف موضوعات پر رباعیاں لکھی ہیں۔ ان کی طبع رسا کسی معین مضمون کے حصار میں پابند نہ تھی۔ ان کے پاس

---

[1] رعنائیاں از برج لال رعنا ــــ دیباچہ از جوش ملیح آبادی

[2] رعنائیاں از برج لال رعنا ــــ دیباچہ از محروم

موضوعات کی کمی نہ تھی۔ ان کا تخلیقی ملکہ، اور ان کا تنقیدی میلان طبع جس مضمون کو چاہتا رباعی کے سانچے میں ڈھال لیتا۔

رباعی کا عروضی اور فنی ڈھانچہ بہت ہی محدود ہے، لیکن موضوعات کی پیشکش کے اعتبار سے اس کا کینوس اتنا وسیع ہے کہ اردو شاعری کے تقریباً تمام موضوعات کی اس کے دامن میں گنجائش نکل آئی۔ حمد و نعت، اخلاق و تصوف، عشق و محبت، حسن و شباب، رزم و بزم، مسرت و غم، مدح و ہجو، طنز و مزاح، ظرافت و تفریح، علم و ہنر، اور تہذیب و تمدن سے متعلق مضامین عام طور پر اردو رباعیوں میں پیش ہوئے ہیں۔ تنوع اور وسعت مضامین رباعی کا ممتاز وصف ہے۔ رباعیات شہباز کے دامن میں گوناگوں موضوعات کے گلہائے رنگین اکٹھے ہیں۔ فنکار نے اپنی رباعیوں کو مختلف عنوانات کے لحاظ سے ترتیب دیا ہے۔ عنوانات کی اس تقسیم سے اس کی ذہانت اور جودت طبع ظاہر ہے۔ مذکورہ مجموعۂ رباعیات میں جو عنوانات قائم ہوئے ہیں، اور جس قدر رباعیاں ان کے ذیل میں درج ہیں ان کا خاکہ اس طرح ہے۔

۱۔ مذہب ——— ۱۲ رباعیاں	۲۔ قدرت ——— ۸۴ رباعیاں
۳۔ اخلاق ——— ۷۲ رباعیاں	۴۔ تعلیم ——— ۳۳ رباعیاں
۵۔ تمدن ——— ۱۰۶ رباعیاں	۶۔ تفنن ——— ۱۹ رباعیاں

شہباز زندہ دل اور بذلہ سنج تھے، ذہین اور طباع تھے۔ ان کی رباعیوں سے ان کی یہ تمام فطری خصوصیات نمایاں ہیں۔ مذہب کے موضوع پر جو رباعیاں ملتی ہیں

ان میں عام طور پر تصوف کے سنجیدہ مضامین پیش ہوئے ہیں، عبد اور معبود کے باہمی رشتے اور تعلقات کی نیازمندانہ وضاحت ملتی ہے۔ شہباز کی زندہ دلی ان کی مذہبی رباعیوں کے اندر بھی شگفتگی، ظرافت اور بذلہ سنجی کے سامان فراہم کر لیتی ہے۔ ان کی اکثر مذہبی رباعیوں کے اندر مزاح کی شیرینی اور طنز کی تلخی موجود ہیں ان میں شوخی اور شگفتگی کے اثرات بھی نمایاں ہیں۔

کیوں کر کوئی اسرار الٰہی جانے	کیا تاب کہ انسان کماہی جانے
آنکھوں سے حجاب وہم اٹھنا معلوم	باتیں یہ خدا کی ہیں خدا ہی جانے

ہے مطلق جود، ذات باری کا وجود	جس وقت ہے جس چیز کی حاجت موجود
یوں طاق حرم ہو طاق نسیاں پہ تو ہو	محراب کرم میں تو ہیں سب وقف سجود

ہر وقت کفیل رزق ہے حکم کُلُوا	باطل ہے اسی حکم سے معدے کا خلو
ہے بار عطا سے قامت شکر دوتا	احساں کے گلو بند سے جکڑا ہے گلو

بے شبہہ وہ اہل درد ہیں قابل رشک	جو جوش ندامت سے بہاتے ہیں سرشک
کچھ دور نہیں اگر ہوں سقائے بہشت	آنکھیں تو بعینہ ہیں بہشتی کی مشک

شہباز کی رباعیوں میں ہر جگہ ان کی چلبلی فطرت کی جلوہ سامانی اور ان کی باغ و بہار طبیعت کی جولانی کا سیلاب امنڈ انظر آتا ہے انھوں نے ظرافت

اور طنز کی فضا پیدا کرنے کے لئے جن وسائل کو استعمال کئے ہیں، وہ بہت
ہی سادہ اور عام فہم ہیں لیکن اپنی ذہانت اور زبردست تخلیقی قوت کے
سہارے انہوں نے رباعی کے افق کو بلند کیا ہے، اور اردو رباعی کو شگفتہ
ظرافت اور طنز کا لب ولہجہ اور تیور عطا کیا ہے۔ رباعی کے مختصر کینوس میں
تبسم اور بذلہ سنجی کے گل کھلانا یقینی ایک مشکل کام ہے یہ بات بھی اس موقع
پر خصوصی توجہ کی مستحق ہے کہ ان کی تبسم انگیز اور ظرافت بدوش رباعیاں
اسوقت منظر عام پر آئی ہیں جب ان کی عمر محض ۲۴ یا ۳۵ سال کی تھی۔ عمر کی
اس منزل میں رباعی کہنا، ان کے فنی تقاضوں کو پورا کرنا، اور اس فن کی نزاکتوں
کو برتنا، انتہائی مشکل کام ہے لیکن شہباز اپنے اس فنی تجربہ میں کامیاب
رہے۔ اس لحاظ سے ان کی شخصیت منفرد اور نمایاں ہے۔ شہباز کی رباعیوں
میں، اس عہد کے اعتبار سے قدیم وجدید نظریہ ہائے زندگی کا حسین امتزاج
پایا جاتا ہے۔ ان کے اندر شگفتہ رعایت لفظوں کے التزام کا قدیم انداز
صاف نمایاں ہے۔ ان کی اکثر رباعیوں میں صنایع معنوی اور لفظی کا اہتمام
بھی موجود ہے۔ محاسن شعری کے اس انداز کی پیشکش میں قدامت پسندی
کا میلان اور اس کا پرتو صاف ظاہر ہے مگر شہباز کی زندہ دل شخصیت نے
اس قدیم سنگلاخ زمین میں بھی ظرافت اور تفریح کے گل بوٹے کھلائے ہیں۔
وہ تاریخ ساز عہد میں پیدا ہوئے تھے سماجی زندگی میں انقلاب آرہا تھا پرانی
قدریں دم توڑ رہی تھیں، اور جاگیردارانہ نظام کے نقوش مٹ رہے تھے پھر

بھی پرانی تہذیب کے علمبردار ان قدروں سے چمٹے ہوئے تھے ۔ سیاسی
اعتبار سے اقتدار کی باگ ڈور مغربی تہذیب کے علمبرداروں کے ہاتھوں
میں تھی ۔ وہ عہد اور ماحول مغربیت کے نئے سانچے میں ڈھل رہا تھا ۔ سرزمین
بنگال نے سراج الدولہ کے ساتھ ساتھ میر جعفر بھی پیدا کئے ۔ یہاں کے تہذیبی
ماحول میں نفرت اور خوشامد کی متضاد لہریں چل رہی تھیں اور اس فضا میں ایسے
نغموں کی گونج بھی تھی جن کی روح خوشامدانہ ہے ۔ ولایتی تہذیب کے قدم
جم رہے تھے ۔ اس کے رد و قبول کی بحث میں اس عہد کا مزاج الجھا ہوا تھا ۔
بحث نے طنز و تشنیع سے آگے بڑھ کر لعن و طعن کا تیور اختیار کر لیا تھا ۔ لکھنؤ
کے اودھ پنچ اور عظیم آباد کے اپنچ نے اس بحث میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ
لیا ۔ اس میدان کارزار میں اکبر الہ آبادی کی شخصیت بہت نمایاں ہے ۔ مذکورہ
متنازعہ فیہہ مسئلہ پر اکبر الہ آبادی کے افکار عالیہ زیادہ تر اودھ پنچ میں
چھپتے رہے ۔ شہباز کے خیالات اودھ پنچ اور اپنچ دونوں میں شائع ہوئے
اکبر کا فن ظرافت، مزاح اور طنز کا ایک مثلث ہے ۔ شہباز کا فن ایک ایسا
دائرہ ہے جس کے اندر ظرافت کی شادابی ، مزاح کی شگفتگی ، اور طنز کی زہرناکی
ایک ایسے نقطہ کے گرد رقصاں نظر آتی ہے جسے تفریح کے علاوہ کوئی دوسرا
نام نہیں دیا جا سکتا ۔ ان کا فن ایک ایسا مرقع ہے جس کی روح تفریح ہے
شہباز کے اپنے الفاظ میں ان کی رباعیاں مفید ، نو طرز ، اور دلچسپ ہیں ۔
اکبر اور شہباز کے فن میں افادیت قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے اکبر کے

یہاں افادیت کا تصور قدرے محکم اللہ ہے۔ شہباز کے یہاں افادیت نو طرز اور دلچسپ پیکر میں جلوہ گر ہے۔ اس لحاظ سے شہباز کا رنگ سخن اکبر کے انداز فن سے مختلف ہے۔ اکبر کی اکثر رباعیوں میں خون جگر کی ماہیت اور لالۂ شب چراغ کی کیفیت ملتی ہے۔ شہباز کی رباعیوں میں علمیت اور استدلال کی نیرنگیاں ملتی ہیں۔ اکبر کی چند رباعیوں کا نکری تیور دیکھئے:

بے سود ہے گنج و مال و دولت کی تلاش
ذلت ہے در اصل جاہ و شوکت کی تلاش
اکبر تو سرور طبع کو علم میں ڈھونڈھ
محنت میں کر سکون و راحت کی تلاش

کیا تم سے کہیں جہاں کو کیا پایا
غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا
آنکھیں تو بیشمار دیکھیں لیکن
کم تھیں بخدا جنہیں کہ بینا پایا

کہتا ہوں میں ہندو و مسلماں سے یہی
اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
لاٹھی ہے ہوائے دہر پانی بن جاؤ
موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی
کچھ پڑھ کے صنعت و زراعت کو دیکھ
عزت کے لئے کافی ہے اے دل نیکی

ڈاکٹر سلام سندیلوی کا یہ خیال[1] صحیح ہے کہ اکبر کی قدامت پسندی میں کوئی کلام

---

[1] اردو رباعیات از ڈاکٹر سلام سندیلوی صفحہ ۲۳۲

نہیں ہے انہوں نے چند لمحات کے لئے بھی کبھی یہ نہیں سوچا کہ مغربی تہذیب و تعلیم ملک کے لئے کچھ مفید بھی ہو سکتی ہے۔ اسی سلسلہ میں پروفیسر آل احمد سرور فرماتے ہیں:

"اکبر[۱] نیک نیت بھی تھے، اور تھوڑے تنگ نظر بھی طوفان آتے دیکھا تو سمجھے کہ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ یہ بھول گئے کہ اس کے اثر سے زمین زرخیز بھی ہو جائے گی۔"

اکبر کی مذہبیت اور وطن کی اسلام دوستی کا رنگ دیکھئے:

حق نے جنہیں دی ہے فہم قرآن مجید — ہونے کے نہیں وہ پیر گردوں کے مرید
بدلے سو رنگ انقلابِ دنیا — ہر حال میں ان کو ہے خدا سے امید

شہباز ولایتی تہذیب کے مدّاح نہ تھے، لیکن وہ ولایتی عقل اور اس کے مفید اثرات کے قائل تھے۔ شہباز کے فن میں ان کے اس متوازن نظریے کی جھلک ملتی ہے۔

ہے دولت قومی کو تجارت سے فروغ — اور اس کو صناعت و زراعت سے فروغ
ہر کام میں ہے فنونِ دانش کی بہار — ہر پیشے میں ہے فنونِ حکمت سے فروغ

کب کہتے ہیں ہم کہ سیم و زر ہم کو ملے — یا زیورِ الماس و گہر ہم کو ملے؟
ہو ہم کو کمال در بعل علم نصیب — تہذیب و راستیں ہنر ہم کو ملے؟

---

[۱] تنقیدی اشارے از پروفیسر آل احمد سرور صفحہ ۹۴

نافع نہیں اس دور میں علمِ اب و جد — ہر در پہ لگا ہوا ہے قفلِ ابجد
دولت کی تلاش ہے تو کر علم حصول — کوشش سے نہ جی ہار کہ مَن جَدّ وَجَدَ

جس دم کہ ہے تربیت کا فیضان ہوتا — نادان بھی ہے ہوشمند و دانا ہوتا
دو چیز ہے تربیت کہ کچھ مدت میں — اک قطرۂ ناچیز ہے انسان ہوتا

بے شغل ہے کیوں کہ کام میں ہے برکت — اعمال کے التزام میں ہے برکت
اوقات کی تنگی کی شکایت ہے فضول — اوقات کے انتظام میں ہے برکت

مرغوب ہو گر تم کو عمومی شاباش — ہر طرح کرو دولتِ دنیا کی تلاش
ہیں قوم میں مدعی ولایت کے بہت — افسوس! نہیں ولایتی عقلِ معاش

تقلید کو کیا ضرور تنقیدِ عیوب — کیوں کرتے ہو ہر فعل سے تائیدِ عیوب
انگریزوں میں آخر ہیں محاسن بھی بہت — ہے عیبِ ہر ہوشمند تقلیدِ عیوب

ہر چند ہیں انگریز وطن پر مرتے — لیکن نہیں کچھ سیر و سفر سے ڈرتے
پھر چل کے ہیں زر سے جیب و دامن بھرتے — نام اپنا ولایت کا ہیں روشن کرتے

ہیں ملکِ فرنگ میں جو با استعداد
دیتے ہیں بیاں سے قابلیت کی داد
لیتے ہیں لسان سے سناں کا وہ کام
کرتے ہیں قلم سے فتحِ اقلیمِ مراد

تصنیف سے اپنی گنجِ گوہر ہے کوئی
تالیف سے اپنی مخزنِ زر ہے کوئی
ہے دفترِ تصنیف کہ کانِ اکسیر؟
ہے نوکِ قلم کہ کیمیا گر ہے کوئی!

کیوں کر نہ ہو مرکزِ توجہ اخبار؟
کیوں کر نہ ہو اخبار تمدن کا مدار؟
کتنے ہیں ولایت میں ایڈیٹر وزرا
کتنے ہی مشیر اور سفرا نامہ نگار

بازارِ تجارت میں ہیں دلال سے ہم
میدانِ زراعت میں ہیں پامال سے ہم
صنعت پہ ہے آج کل "کلوں" کا قبضہ
حکمت کے دیار میں ہیں کنگال سے ہم

جس حال میں ہوں طبع میں ہو خوش خوئی
جس کام میں ہوں قلب میں ہو یکسوئی
ہوں وقتِ عمل سارے جوارح اعضا
اوقات کے ضبط میں گھڑی کی سوئی

ایرانی فصاحت اور حجازی غیرت
یونانی بلاغت اور رومی حکمت
ترکانہ جلادت اور چینی صنعت
جس قوم میں عام ہو اسے قومی عزت

شہباز، اکبر کی طرح قدامت پسند نہ تھے۔ وہ مغربی تہذیب کے
پہلوؤں کے حامی تھے۔ یہاں شہباز اور اکبر کا موازنہ مقصود نہیں ہے۔ صرف یہ
بتانا چاہتا ہوں کہ شہباز تبسم انگیز شگفتہ اور ظرافت بردوش رباعیوں کے بلند
معیار، متوازن نظریۂ حیات اور رباعیوں کی تعداد کے پیش نظر ایک ممتاز رباعی
گو شاعر ہیں۔ وہ اس صنعت سخن میں بہ اعتبار ظرافت، طنز تفریح اور تفنن ایک
سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کی رباعیوں میں ان کے عہد کے ثقافتی تقاضوں
کا جلوہ نظر آتا ہے اور سماجی اصلاح کی فکر ملتی ہے۔ وہ یقینی طور پر رباعی گو شعرا
کی صف میں ایک اعلیٰ مقام کے مستحق ہیں۔ ڈاکٹر عبدالسلام سندیلوی کی تصنیف
اردو رباعیات" اس موضوع پر ایک گرانقدر ادبی سرمایہ ہے۔ اس میں اردو
رباعیات سے متعلق تفصیلی بحث ملتی ہے۔ لیکن ان کی اس تصنیف میں شہباز کی
رباعیوں کا ذکر نہیں ہے۔ میرے خیال میں یہ ایک اہم فرد گذاشت ہے۔ رباعیات
شہباز کی دوبارہ اشاعت کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ نئی نسل شہباز کو رباعی گو
شاعر کی حیثیت سے جانے اور پہچانے۔

تاثرات

از

ڈاکٹر محمد ذکی الحق

رباعیاں ہیں یہ کتنی دلکش، حسین و تازہ نقوشِ طیبت
مرقعہائے شگفتگی میں نہاں ہیں صدہا نقوشِ طیبت
نشاط ساماں ظرافتوں کے، یہ گل ہیں گویا نقوشِ طیبت
لئے پھریں گے بغل میں سب ہی، جو ہے یہ اعلیٰ نقوشِ طیبت

ہر اک رباعی تری ہے شہباز، جیسے اک خرمن مسرت
ظرافت و طنز کے گلوں سے بھرا ہے یہ گلشن مسرت
ذکی نے کی جستجو، اشاعت کے سال کی جب تو مسکرا کر
کہا یہ ہاتف نے میرے دل سے کہ کہہ دے تو مخزن مسرت
۱۳۹۷ھ ہجری

❖

ذکی الحق

دیباچۃ الرباعیات

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
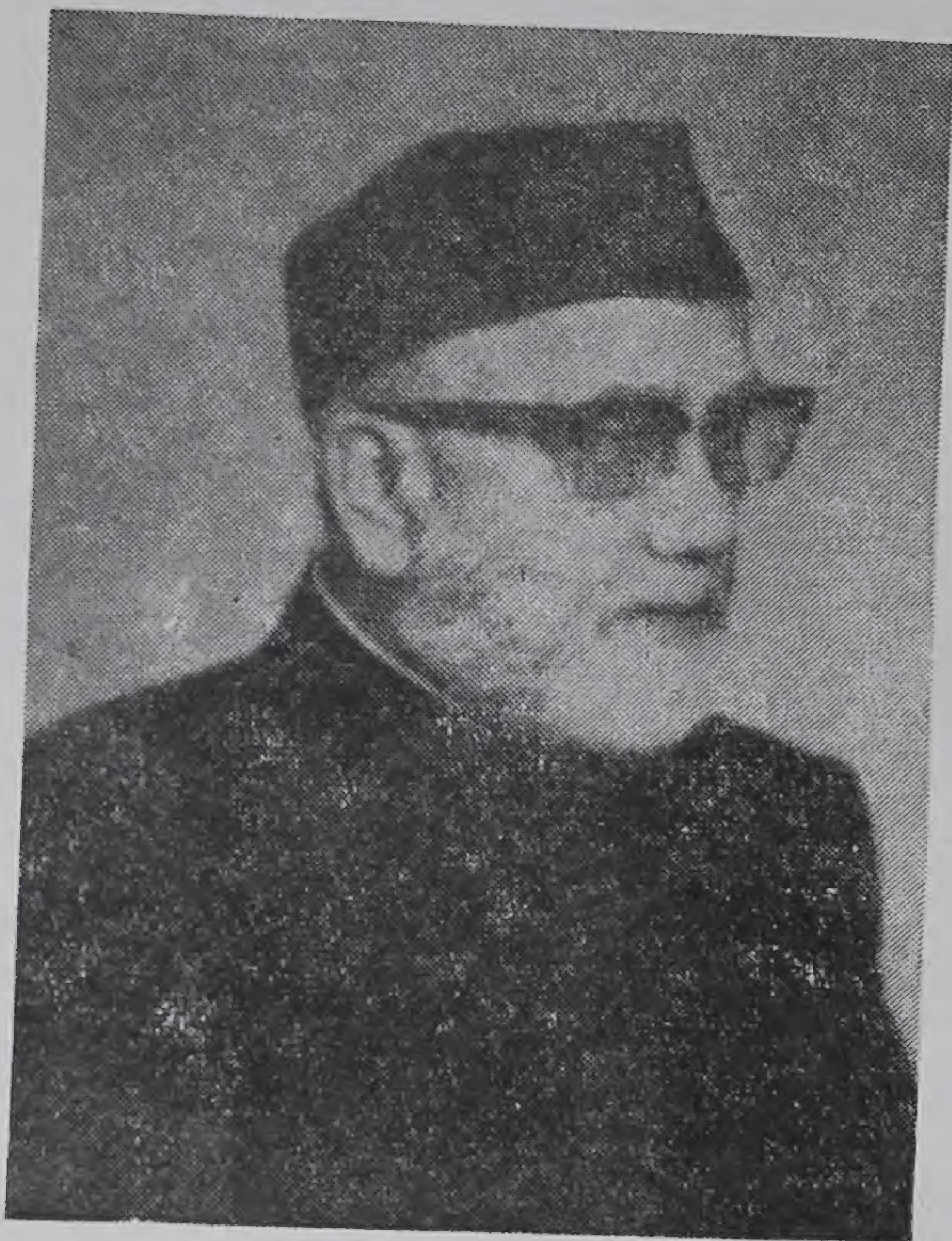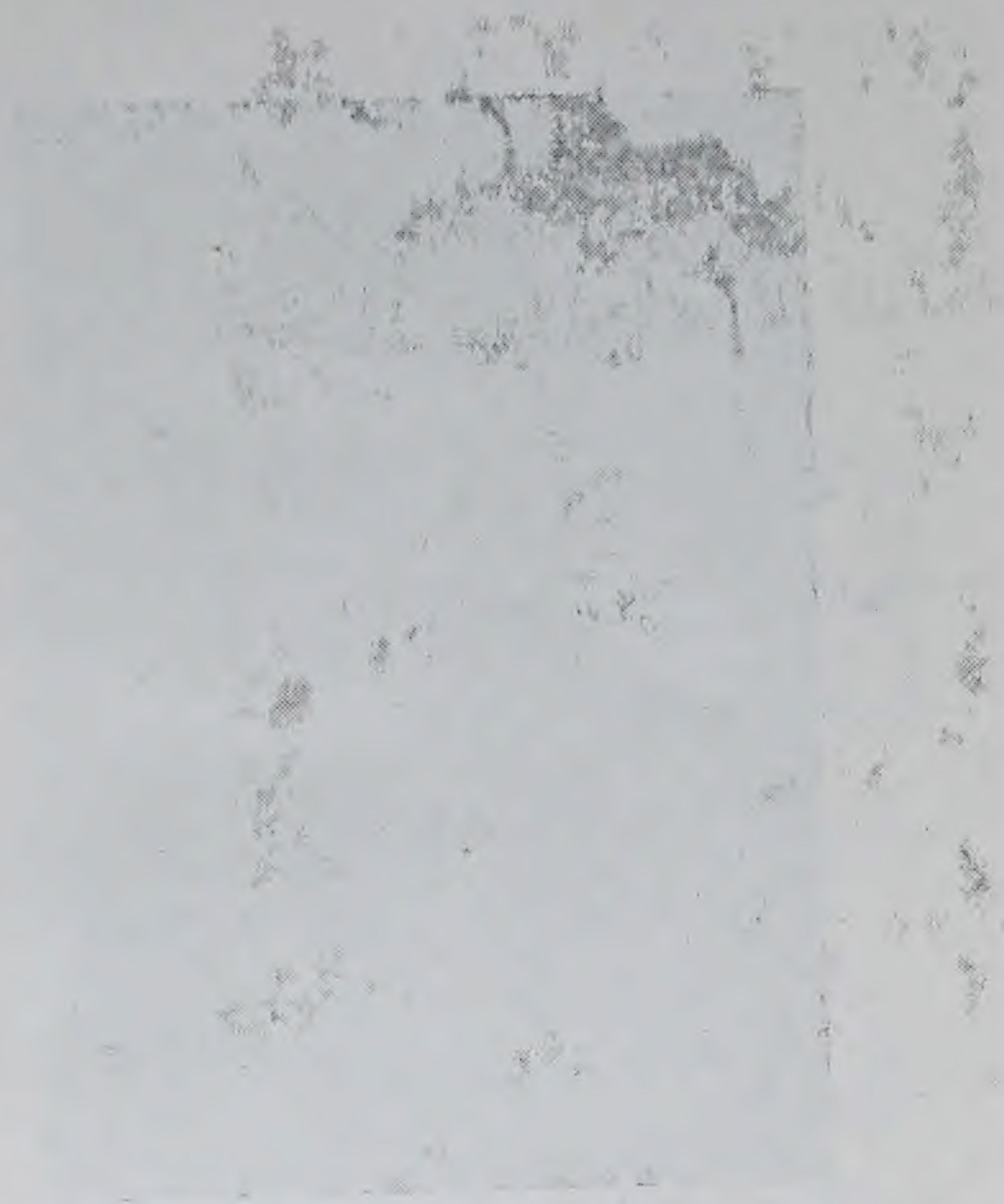
آج کل اُردو نظم و نثر کی حالت میں حیرت انگیز اور ترقی خیز انقلاب ظاہری اور باطنی طور پر واقع ہو رہا ہے۔ مغربی انشا پردازی کا طوفانِ رحمت نشان زور شور سے ہمارے خشک اور خزاں دیدہ مرغزارِ ادب کی طرف اُمڈا آ رہا ہے۔ ہجومِ منفعت لزوم خیالاتِ مغربی اور رودِ شہبائے جدیدہ کی بہارِ ملک کے سخن دانوں کی محفلوں میں دھوم ہے۔ سخن گویوں اور سخن سنجوں کے مذاق رنگِ شفق کی طرح جلد جلد بدل رہے ہیں۔ پرانی روشوں اور قدیم طرزوں کے عاشق فتنۂ انقلاب سے متوالے ہو کر شاہ راہِ انشا پردازی پر بے غلل نئی چالیں چل رہے ہیں۔ روشِ قدیم انشا کی اصلاح کا ہر جا بطرف شور ہے پرانے تنورِ شاعری کے بہ ضرورت اور بلا ضرورت بھی توڑ ڈالنے پر بڑا تمرد رہے۔ شعرا عرائسِ مضامین کے سنگار کے اسباب ولایتی مشاطہ کی اُونچی دکانوں سے فیاضانہ قیمت دے کر لے رہے ہیں۔ نثار بر کالے، سر والٹر سکاٹ، گولڈ سمتھ،

کارلائل، ڈکین، نھبکرے اور مونٹیفٹ کی معنی خیز اور فصاحت ریز نثروں کی طرزیں اُڑا اُڑا کر خوب خوب دادِ انشا پردازی دے رہے ہیں۔ تجربہ کار اور مشاق ناظموں نے بے وفائی سے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگاکر نہایت سنگ دلی سے اپنی پرانی روش سخن پردازی کو ملک کے مذاقِ جدید کی متواتر دل آزار اور پُراثر چٹکیوں سے مجبور ہوکر چھوڑ دیا ہے۔ اور حبابی انگلستان میں ولایتی پری دشانِ مضامین جادو اثر کی اداؤں سے متاثر ہوکر فرطِ جوش میں بمصداق "کُلُّ جَدِیدٍ لَذِیذٌ" بعض باکمال اور منفعت بار مضمون نگاری کی طرز کو جذبِ شوق کی بے اختیاری میں اختیار کرلیا ہے۔ ہر پرانے خیال کے باجے سے نئے ساز کی آواز ایک نئے راگ میں آرہی ہے۔ قوم کے شاعرانہ مذاق میں سخن آفرینی کی نئی روشوں کی خوشبو بڑی تیزی سے بادِ صبا کی سبک سواریوں پر سوار ہوکر صبح و شام غیر محسوس انداز سے جارہی ہے۔ نئی روشوں کے بادۂ پُرتگالی کے سرورِ لذت سرور سے خمخانۂ خیال کے طرب انگیز ہال میں جدید انداز سے مہذب حال و قال ہے۔ نئی روش کے نئے مدرسوں، مؤلفوں، مصنفوں اور پریس کے ناتجربہ کار اور نومشق قائم مقاموں کا نئی انشا پردازی کے شوق کی پُرلذت، مضطرب ساز اور ہوش باز گدگدی سے اکثر غلط اور صحیح ترجمے کی مزہ دار اور غیر محسوس زحمت سہتے سہتے بُرا حال ہے۔ ایسے وقت میں ہمارے ملک کے قابل نوجوانوں کے سرمایۂ نازش و ناز جناب مولوی سید محمد عبدالغفور شہباز کا (جن کی عالی خیالانہ بلند پروازیوں کا مسرت زا اور دلکش افزا تماشا سپہرِ سحر بیانی و جادو طرازی پر ایک زمانۂ دراز سے ملک کے

باغبرادرہ صاحب نظر تربیت یافتہ سخن فہم دیکھ دیکھ کر لطف اُٹھا رہے ہیں۔ نادرہ نو طرز اور دل پسند مجموعۂ رباعیات ہم لوگوں کی دلی توجہ اور ہم دردی انگیز التفات کا مستحق ہے۔

صنفِ نظم میں یوں تو ہر چیز دل ربا ہے اور اپنی اپنی جگہ میں لطف اور رنگ میں ایک دوسرے سے جُدا ہے، مگر رُباعی کی لطافت، نزاکت، قوت، دعائیں، دل کشی اور مختصر مفید مطلب بندش میں ایک خاص قسم کا جادو دل فریبی اور عام پسند مقبولیت ہے کہ جو اکثر طبیعتوں کو بہت بھاتی اور اکثر گداز دلوں کو سخت بے چین بناتی ہے۔ لیکن نظم کی موسیقی میں یہ وہ مشکل ترانہ ہے جس کا ہر خیالی گوّیے کے گلے سے ٹھیک تال سُر سے اُتر آنا بہت مشکل ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ فارسی کے اساتذہ میں بہت کم شعرا نے اس قسمِ خاص کی نظم کا پوری طرح سے حُسن استعمال کیا ہے اور اپنی پوری قوتِ دماغی اور مشقی طاقت کہربائی اس میں بہت کم لگائی ہے۔ عموماً دیوانوں کی ترتیب کی رسمی ضرورت سے شاعروں نے عبث اور الغیاث کی ردیف کی غزلوں کی طرح عبث چند متفرق مضامین کی رُباعیاں کہہ ڈالی ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ نہ تو اُن کو رباعی لکھنے کی طرف خاص رغبت تھی اور نہ انھوں نے اُن کے چمکانے میں محنت کی۔ اکثر اساتذۂ فارسی نے رباعیوں میں مضامینِ تصوف آگیں و نصیحت آمیز اپنے اپنے رنگ میں خوب لکھے ہیں۔ اور باغ و راغ، خزان و بہار، معشوق گُل عذار اور ساقی مے گسار، اُن کے نشاط انگیز سامان اور فرحت انگیز معاملات کی خوب خوب تصویریں نوکِ قلم سے کھینچی ہیں اور بعض

خاص شاعروں نے پھر اپنے خاص مذاق کے مطابق بعض خاص چیز کی تعریف میں نئے انداز سے دادِ مضمون آفرینی و لطفِ سخن طرازی دی ہے۔ جیسے ظرافت اور جدّت کی طریقت کے امام عمر خیّام جنھوں نے اپنی خیالی گردشِ جام سے متوالوں کے پُرجوش و خروش حلقے میں بادۂ گلفام کو نئے انداز اور بڑی دریا دلی سے عام طور پر تقسیم کر کے اپنا نام کیا ہے اور بہت بڑا دائمی صلہ سخن فہموں اور اور نکتہ رسوں سے داد کا لیا ہے۔

اُردو کے ابتدائی زمانۂ شاعری میں چونکہ غزل کے سوا اور اصنافِ سخن کی طرف کم توجہ کی گئی ہے، اس لئے پہلے طبقے کے اساتذہ کے کلام میں کوئی قابلِ التفات اور لائقِ نازش سرمایہ رُباعیوں کا نظر نہیں آتا۔ البتہ میر دردؔ، میر تقیؔ، سوداؔ، اور بعد اُن کے ذوقؔ وغیرہ نے رباعی کی طرف کسی قدر ممتاز التفات بہ نسبت اپنے متقدمین کے کیا ہے، مگر اُن سبھوں نے اکثر اساتذۂ فارسی کا تتبع کیا ہے اور اس میں اُن کو کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی یہ امر کسی قدر مشکوک ہے۔ ہاں ذوقؔ کی بعض رباعیوں سے ایک مزہ دار اور پُر اثر طرزِ خاص جھلکتی ہے جس سے اس کا سارا کلام بھرا ہوا ہے۔ بعد اس کے لکھنؤ کے صاحبِ کمال رزم و بزم کے مالک مرثیہ گو شاعروں نے پھر رباعی پر اپنے اپنے رنگ میں خوب زور لگایا ہے اور بہت کچھ دادِ سخن گستری و بلاغت و فصاحت دی ہے۔ اُن کی اکثر رباعیاں مذہبی خیالاتِ حمد و نعت اور زیادہ تر منقبت کے مضامینِ فیض آگیں سے آراستہ ہیں اور کبھی کبھی اُن حضرات نے اُن رُباعیوں میں شاعرانہ خودستائی

اور میدانِ تعلّی میں باہمی زور آزمائی کا لطف بھی دکھایا ہے۔ زمانۂ حال کے پسندیدہ مذاقِ شاعری کے مطابق بھی چند رباعیاں بعض وقت اخباروں میں شائع ہو کر نظر فروز ہوئیں، مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن رباعیوں نے سخن دانوں کے دلوں کو کچھ زیادہ نہیں لُبھایا اور اسی سبب سے شاید اُن کا اثر اکثر دلوں پر کم تر دیرپا نظر آیا۔

حضرت شہباز کی رباعیوں کی مجموعی قوّت، دل نشیں اثر، پُر منفعت دل فریبی اور نتیجہ بخش دل چسپی ایسی نہیں ہے کہ کوئی کوڑھ سے کوڑھ طبیعت بھی اُن کی لذّت سے محروم رہ سکے اور اس گلشنِ معنی کی سیر کے بعد اپنے دامنِ اُمید کو پھولوں سے خالی پائے۔ اس گلستانِ دانش و اخلاق فشاں کے ترتیب دینے، آراستہ بنانے اور رونق بخشنے میں مصنّف کے نہایت خوش سلیقہ باغبانِ طبیعت کو بڑی مشقّت، پلّے سرے کی تلاش اور بڑی کاوش ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں سب سے زیادہ رعایت اس کی کی گئی ہے کہ ہر مذاق، ہر خیال، ہر روش اور ہر رنگ کے آدمی کا اس کی گلگشت سے جی بہلے اور ہر مزاج کو اس کی سیر سے تفریح حاصل ہو۔

اس باغ میں کہیں مذہبی خیالات کی دھانی خلعت بدوش سبز پوش سر بسجود جھاڑیوں سے خداشناسی اور خداپرستی کی وحدت درکنار اور رحمت بار نہر جاری ہے۔ کہیں صانعِ حقیقی کی پُر حیرت اور سراپا برکت قدرت کا سیارہ دریا اور آسمان سا فوارہ ہزار رنگ سے اُچھل اُچھل کر اہلِ بصیرت کی آنکھوں کی سیرابی اور اہلِ خرد کے دماغوں کی تازگی میں مصروف ہے۔ کہیں اخلاق کے تر و تازہ و راحت نظار پھولوں کی روشوں سے ایسی عطر بیز اور عنبر آمیز ہوا چلتی ہے جس کی شامّہ نواز اور

صحت بخش بُو بداخلاقی کے مریضوں کے لئے بیشک اکسیر تاثیر ہے کسی چمن میں تعلیمی فوائد اور تجربوں کا ایسا پُرثمر شجر نصب ہے کہ جس کے پھل دنیا کے ہر قسم کے لوگوں کی فائدہ رسانی کی ضرورت سے بہشتی میووں کی طرح بلا تکلف و تکلیف ہر ایک شخص کے خیال کے مُنہ میں اُس کے سیر کرنے کو خود بخود آکر چلے جاتے اور اُس کے تعلیمی خیالات کی بالیدگی اور پرورش میں کام آتے ہیں۔ کسی گوشے میں ایسا سرسبز، ہوادار، خنک اور صحت بخش تمدنی سمرہوس بنا ہوا ہے جس کی طلسماتی ہوا اور فضا پراگندہ رائے اور غلط خیال مدبّروں کے دماغ کی کُلّی اصلاح اور کم تدور خیالی پژمردہ حال تمدنی مریضوں کی گذشتہ صحت اور قوت لوٹانے اور سسکتے اور بہکے ہوئے رفارمروں کے آسانی سے ہوش میں لانے میں دمِ مسیحائی سے کم اثر نہیں رکھتی اور جہاں، کہ ہر مشرب کے تمدنی مجاذیب جاتے ہی اپنی بُو بھول کر تربیتِ ہوا کے حُسنِ سلوک سے سُلوک کی دُھن میں کچھ گنگناتے اور وہاں کے چند روزہ قیامِ عافیت فرجام کی بدولت نعمتِ عقل و ہوش واپس پاتے ہیں۔ بعض چمنوں میں مختلف مُلکوں اور مختلف قسموں کے پھولوں کے درخت ایک آئیلعانہ روش سے متفرق سجائے گئے ہیں اور قصداً قدرتی بے انتظامی اور خودروئی کا خوش نما اور دل رُبا پرداز دینے کی غرض سے بہت زیادہ اہتمام اُن کی ظاہری آرائش کے متعلق نہیں کیا گیا۔ یہ ٹکڑا بھی اپنی وضع پر بہت ہی دلچسپ، نشاط انگیز اور تفریح بخش ہے۔

رباعیوں کے اِس مختصر دیوان کے غور اور انصاف سے پڑھنے کے بعد انجمن سخن میں کیا کوئی کافرِ نعمت ایسا ہو سکتا ہے جو مصنف کی فکرِ بلند، طبیعت خداداد،

طرز نو ایجاد اور باکار مشق سخن اور کامل استعداد کا کلمہ نہ پڑھے؟ ہر قطعے سے جواہر مضامین کا خانۂ نگیں میں خوش اسلوبی اور صفائی سے بٹھانا اور جمانا، بندش کی دل ربائی اور صفائی، لفظوں کی مناسب صنعت اور عمدہ نشست، زبان کی شستگی اور پاکیزگی مضامین کی بلندی، اثر افشانی، شگفتہ سرشتی، قافیوں کی دقت پسندی اور دل فریبی، استعارات دل چسپ اور تشبیہات موزوں کا لطف، چاروں مصرعوں کا ایک دوسرے سے نہایت آسانی اور خندہ پیشانی سے دست و بغل رہنا اور پھر آخر میں چوتھے مصرعے کا پُر قوت طور سے چمکنا، اِن سب صفتوں نے مل کر رباعیوں کو گلدستۂ لطافت و بلاغت بنا دیا ہے۔

سادہ اور پیش پا اُفتادہ مضامین کو بندش اور بیان کی خوبی سے وہ درخشاں اور دل پسند پیرایہ ملا ہے کہ ہر طبیعت کو مرغوب ہو۔ عالی، نازک اور مشکل مضامین اس صفائی، آسانی اور شگفتگی سے بندھے ہیں کہ ہر طفلِ مکتب ان کو اپنے پند نامے کے سبق کو سہولت سے دل نشیں کر لے۔ ہر مطلب کے طرزِ بیان میں ایک خاص مزہ ہے جو مضمون سے پہلے خیال میں اپنی جگہ کر کے گویا مضمون کا استقبال اور طبیعت کو اس کی پذیر فتگاری کے لئے طیار کرتا ہے۔ ہر رباعی میں ایک خاص جدّت اور ہر جدّت میں پھر ایک نئی، تازہ، رواں پر قدر لذت ہے جس کا بیان فقط لفظوں کی تائید سے بُرا از دقت ہے۔ ہر مضمون کا حُسن تقریب حد سے زیادہ دل فریب اور حُسن قبول سے سراپا ہم آغوش۔ ہر فکر بلندی اور تازگی کے میدانِ مسابقت میں دوسرے سے دوش بدوش۔ مضامین نصیحت آمیز و دانش آموز کا جہاں انبار ہے، وہاں

طبیعت کے بہلانے کو باغ و بہار کی دل کش کیفیت کی سچّی تصویر اور قدرت کا ایسا مرقّع
زرنگار بھی ہے کہ جس کے دیکھنے سے طبیعت بشاش ہو جائے اور پند و نصائح کی کلفت کا
ہلکا سا نقش لوحِ دل سے یک قلم مٹ جاتا ہے۔ جہاں ہر طرح کی سنجیدگی اور متانت سے
کلام مالامال ہے وہاں کہیں کہیں ہلکی سی ظرافت کی ذائقہ نواز اور استحقار افزا چاشنی کا
بھی بہتر طریقے سے استعمال ہے۔ ہر پرانی نورانی شمعِ مضمون میں صنعت کی آرائش
کے جلوے کی وہ تابانی ہے جس پر نئی روشنی کے پروانے بے پروایانہ جان دیں۔ اور
ہر مغربی عروس خیال کی ایشیائی فیشن کی مشاطہ گری سے وہ عاید فریب زیبائش ہے
جس کا لوہا بڑے بڑے متعصّب قدیم خیال کے زاہد منش بے غل و غش بات کی بات
میں مان جائیں۔ ان دو قسموں کے مختلف مذاق کی رعایت، یہ مشکل پہلو بہت ہی مشکل
سے ہاتھ میں رہا ہے اور یہ محنت صلے سے بالا اور واقعی ایسی نادر رعایت بے بہا ہے۔
ہر رباعی کسی نہ کسی نمونۂ خیال سے بانتیجہ یا بامزہ ہے اور ہر مضمون مصنف کی غیر معمولی،
برق آسا اور غوّاص قدرتِ مشاہدہ کو بہت صاف طور سے دکھاتا ہے۔ ہر معمولی چیز
اور ہر معمولی واقعے اور معاملے سے ایک بکار آمد اور مفید مضمون نکلا ہے اور کم نہ چیزیں
اور حالتیں شاید مصنّف کی نظر سے ایسی گزری ہیں جن کا جوہر مضرّت و منفعت کھینچ کر
اُن کے دماغ کے مضبوط اور محفوظ شیشے میں نہ رہ گیا ہو اور جس جوہر کا عمدہ استعمال اکثر
ان رباعیوں میں نہ ہوا ہو۔ یہ سود مند چند پند زمانۂ موجودہ کے تمدّنی، تعلیمی اور اخلاقی
انقلاب حالات خیالات کے اعتبار سے بہتر از صد پند ہے۔ کیونکہ تجربہ و مشاہدہ کے مختلف
نتیجوں اور ہزاروں پُرمنفعت نکتوں کا دریا ان چار مصرعوں کے چھوٹے سے کوزے میں

بڑی حکمت سے بند ہے۔

ہر جدید چیز مشکل سے کامل ہو سکتی ہے اور اس کلیّے سے شاید یہ رُباعیاں بھی مستثنیٰ نہ ہوں، مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت تنہاؔ نے اپنی قدرتِ اختراعیہ سے (جو کہ محض ایک فیضِ لم یزلی ہے) ایک نئی قسم کی یہ مستقل نظم ایسی لکھی ہے جس کی کوئی نظیر اُردو زبان میں معلوم نہیں ہوتی اور جو کہ اُن کی نادر (اور جدالطّی) قوّتِ ایجاد اور قدرتِ مضمون آفرینی کو دکھاتی اور بتاتی ہے۔ اُردو زبان کے ادب میں خواہ وہ نظم ہو یا نثر، بہت بڑا قحط اُمد جدالطّی کا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج تک اس میں کوئی خاطر خواہ اور تشفّی بخش ترقی جدید خیالات کے محقّقوں اور مصنّفوں کی تحقیق اور رائے کے مطابق نہیں ہوئی اور گویا کُل شعرا بہ استثنائے چند خاص لوگوں کے وہی پُرانی لکیر پیٹتے چلے جاتے ہیں اور اپنے خیال اور اپنی پیاری زبان کو زُلف پیچاں کے جال اور ذلّت انگیز اور آبرو شکن وصل کی نکبت اور ہجر کے دائمی جنجال سے اپنی دماغی کمزوری اور بُزدلی کی وجہ سے نہیں نکلنے دے کر زبان کی وسعت کو اپنی غلط رائے کے مُطابق محدود رکھنے پر نازاں اور اپنی مُردہ دلی، پژمُردہ خیالی اور پست ہمّتی سے آزاد منش، وسیع النظر، روشن دماغ اور نو طرز شاعروں اور مصنّفوں کے پُر وسعت، پُر منفعت اور پُر جدّت کلام پر نکتہ سنجی کے خواہاں ہو کر اکثر بےجا اور آبرو فرسا شوقِ نام وری میں اپنی عظمت سراپا حسرت کی شہرت کے آپ محرک ہوتے ہیں۔ زمانے نے علم و فن میں اس قدر ترقی کی ہے، مغربی تعلیم کا فیض اس طرح ابرِ نیساں کی طرح سارے ہندوستان میں پھیلا ہے اور سلطنتِ انگریزی کے تمدّنی

اور تعلیمی اثر نے وہ آزادی بخشی ہے کہ اب غریب اُردو زبان اِس اُنیسویں صدی میں بابل سامان خیالی، چاہ زنخداں اشد ذلت ظلمت نشاں ناصاف فہمی نافہمی کے زنداں میں کسی خیالی پری وش کے جعدِ مشکیں سے مشکیں کسوا کر اور مار آستین چوٹی کی ہتکڑیوں سے دونوں ہاتھ جکڑوا کر چند خود غرض اور کوتہ بین دشمنوں کے بے اصل مفروضہ مباہات اور چند خود مطلب خود سر خُردہ گیروں کے انصاف دشمنانہ خیالات کی بے جا تشفی کے لئے دائم الحبس نہیں رہ سکتی۔ اس لئے عقل و انصاف کی گورنمنٹ نے اپنی مشہور فیاضانہ انصاف پسندی اور علم دوستی سے اُس کی آزادی کا قطعی حکم نافذ فرمایا ہے ـــــــ اور اب وہ بہ عنایت ایزدی قیدِ دوام سے شاد کام نکل چلی اور آزادی کا دم زور و شور سے بھرنے لگی ہے اور حقارت بار اور جگر فگار چیتونوں سے اپنے دشمنوں اور قید خانے کے منحوس جیلروں کی طرف پھر پھر کر دیکھ اور بار بار نہایت جگر گداز اور ذلت بار جھڑکیاں اُن کی جانب کر رہی ہے۔

ہم اُمید کرتے ہیں کہ یہ نوطرز اور مفید رُباعیاں جدید و قدیم دونوں مذاق کے صاحبانِ طبع سلیم کو بہت پسند ہوں گی اور اب اس رنگ میں آیندہ ہر مشاق اور تجربہ کار شعراء بھی خامہ فرسائی فرما کر نہ فقط دادِ سخن گستری ہی دیں گے، بلکہ قوم کو اور ملک کو اپنے کلامِ نصیحت نظام سے کافی فائدہ پہنچائیں گے۔

مصنف نے شوقِ نام داری و شہرت یا کسب منفعت کی غرض سے اپنے دل و دماغ پر یہ شدید زحمت گوارا نہیں فرمائی، بلکہ ایک سچے محبِّ قوم اور

خیر خواہ ہونے کے سبب ناف بڑھا تا ہے۔

بہی خواہ ملک ہونے کی حیثیت سے اپنی ذہانت، جودت، علمیت اور تجربے سے
اپنے ابنائے جنس کو فائدہ پہنچانے کی ایک مفید اور باکار آمد تدبیر کی ہے ---
خدا کرے اِس بے مثل نظم کی پُر منفعت شہرت، حسنِ استعمال اور خرطِ پسندیدگی
سے اِس کی ہر رُباعی چار دانگ ہندوستان میں قومی ترانہ بن کر ضرب المثل کی طرح
زبان زدِ خاص و عام ہو ----- اور حق التصنیف کی رجسٹری خاص ہو تو ہو، مگر
اِس کی مقبولیت کی رجسٹری عام ہو۔

دیباچہ طراز

بندہ آزاد

باقی پور

۲۴ نومبر سنہ ۱۸۹۰ء

O

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہب

(۱)

کیوں کر کوئی اسرارِ الٰہی جانے — کیا تاب کہ انساں کما ہی جانے
آنکھوں سے حجابِ وہم اٹھنا معلوم — باتیں یہ خدا کی ہیں خدا ہی جانے

(۲)

ہے مُطلقِ جود ذاتِ باری کا وجود — جس وقت ہو جس چیز کی حاجت موجود
یوں طاقِ حرم ہو طاقِ نسیاں پہ تو ہو — محرابِ کرم میں تو ہیں سب وقفِ سجود

(۳)

ہر وقت کفیلِ رزق ہے حکمِ کلوا — باطل ہے اسی حکم سے معدے کا غلو
ہے بارِ عطا سے قامتِ شکر دوتا — احساں کے گلوبند سے جکڑا ہے گلو

(۴)

دنیا میں نویدِ حسنِ انجام ہے دیں — اس غمکدے میں پیامِ آرام ہے دیں
دیں داروں کو لازم ہے بزرگوں[۱] کا ادب — اُن کی ہی بزرگ داشت کا نام ہے دیں

---

۱ بزرگوں سے بزرگانِ خاندان و بزرگانِ دین مراد ہیں۔

(۵)

ہیں اہلِ صفا جو قیدِ مذہب رکھتے عادات و خصائل ہیں جو تہذیب رکھتے
ہوتے نہیں وہ حُسنِ عمل سے غافل ہر دم ہیں خیالِ فرضِ منصب رکھتے

(۶)

ہے بزم میں ایک صدر دیا ئیں ہم کو ملحوظ ہیں اخلاق کے آئیں ہم کو
ہم غیر سے بھی کرتے ہیں بھائی کا سلوک شیرازۂ اتفاق ہے دیں ہم کو

(۷)

قرآن و حدیث کا اطاعت گر ہوں یارانِ اُولوالامر کا فرماں بر ہوں
بے واسطۂ ائمہ کہتا ہے قیاس ممکن ہی نہیں مطیعِ پیغمبر ہوں

(۸)

افلاک ہدایت پہ ہے انجم کا ہجوم انجم ہیں شیاطینِ ضلالت کو رُجوم
ہے مدِ نظر شب آفریں کی تسبیح جب تارِ نظر میں ہم پروتے ہیں نجوم

(۹)

بے شبہ وہ اہلِ درد ہیں قابلِ رشک جو جوشِ ندامت سے بہاتے ہیں اشک
کچھ دور نہیں اگر ہوں سقائے بہشت آنکھیں تو بعینہٖ ہیں بہشتی کے مشک

(۱۰)

بے وجہ نہیں قلب کی سینہ کوبی ‏ چلتے ہیں بُری چال یہ پاے[۱] چوبی
اس دامنِ آلودہ کو دھوئیں گے یہی ‏ ہیں مردمِ چشم معصیت کے دھوبی

(۱۱)

کی اس نے کبھی نہ بالخلا کی چوری ‏ کی اس نے کبھی نہ بالملا کی چوری
دن رات یہ کام چور نافرمان نفس ‏ کرتا ہے نبی کی یا خدا کی چوری

(۱۲)

گو راہِ بلاغت میں بہے جاتے ہیں ‏ تکلیف بلاغ پر سہے جاتے ہیں
کیا غم ہے کوئی کان دھرے یا نہ دھرے ‏ کہنا ہمیں جو کچھ ہے کہے جاتے ہیں

---

[۱] پای ضعیف یا پای استدلال کہ وہ بھی ضعیف ہیں۔

قدرت

(۱۳)

تن عیش کا گھر ہے اس کا اسباب ہے روح مینا ہے یہ اور بادۂ ناب ہے روح
یا چنگ مغنیِ ازل میں شب ہمہ یہ تن ہے رباب اس کی مضراب ہے روح

(۱۴)

دل میں ہے لگا خیال کا ٹیلیگراف سر میں ہے دھرا سماع کا فونوگراف[له]
آنکھوں میں لگائے ہے ٹلسکوپ[٢] نظر جاری ہے ہمیشہ ذہن کا فوٹوگراف

(۱۵)

اعضا و جوارح ہیں گھڑی کے پرزے ہیں عمر کی کوک تک یہ چلتے پرزے
لازم ہے بشر کو قدر ان پرزوں کی ورنہ کوئی دم میں ہیں یہ پرزے پرزے

(۱۶)

آتی ہے یہ آواز خود اپنے سر سے شایاں ہے لکھ رکھیں گر آبِ زر سے
"دنیا کے عجائبات مجھ میں ہیں بھرے بہتر ہوں میں ہر ایک عجائب گھر سے"

(۱۷)

ہے سرخ و سفید جسم میں طرفہ بہار پاتا نہیں اس کو ظاہری نقش و نگار
ہر عضو نظر آتا ہے سانچے میں ڈھلا ہوتا ہے عجیب تن درستی کا سنگار

له آلۂ نقالۃ الصوت۔ ٢ دوربین۔

(۱۸)

ہو کشورِ صحت میں اگر کوئی جواں — ہر وقت رہے محوِ تماشائے انساں

اسٹیج[1] پہ چہرے کے شب و روز شباب — دکھلائے ہنسی خوشی تبسم کا سماں

(۱۹)

وہ شخص کہ ہے مزرعِ صحت کا سانڈ — ہے کام میں جس کے عیشِ شیریں کی کھانڈ

دیں سر پہ ہے اسکے۔ کیوں ہو عقل اسکی یتیم؟ — دل اس کا ہے زندہ کیوں ہو طبع اُسکی رانڈ؟

(۲۰)

ہر عضوِ بدن میں چستیاں آئیں گی — ہر گام پہ تنگ سستیاں آئیں گی

ہو جائیں گے زندگی کے سب کام درست — جس وقت کہ تن درستیاں آئیں گی

(۲۱)

رات آئی بٹا روز کا جھگڑا ٹنٹا — افیون کا نیند نے کھلایا انٹا

ہر گھنٹے پہ یوں گجرِ غفلت میں ہے غل — ہُشیار! کہ رخصت ہوا اور اک گھنٹا

(۲۲)

کرتی تو ہے دن کو زندگانی گھائل — ہے رات تو رکھتی ہے شفائے عاجل

بھر جاتا ہے روز خندۂ صبح تلک — ہر زخم مسیحِ خواب کا ہے قائل

---

[1] زینہ جس پر تھیٹر والے تماشا کرتے ہیں۔

(۲۳)

دُنیا کے اکھاڑے میں ہزاروں ہیں دلیر — گو جُثّے میں فیل زورِ بازو میں ہیں شیر
پڑ جاتا ہے آنکھوں پہ کچھ ایسا پردہ — ہو جاتے ہیں پل مارتے میں نیند سے زیر

(۲۴)

صد شکر کہ وقتِ صبح سو کر اُٹّھے — غنچوں کی طرح شگفتہ ہو کر اُٹّھے
ہر طرح دلِ حزیں نے پائی راحت — گو عمر کی ایک رات کھو کر اُٹّھے

(۲۵)

اُڑ کر تمھیں لے جائے کبھی سوئے فرنگ — مُڑ کر کبھی دکھلائے تمھیں خطّۂ زنگ
ہر ایک منٹ میں ہفت اقلیم کی سیر — سو جاؤ تو صورتِ اُڑن کھٹولا ہے پلنگ

(۲۶)

دیکھا کہ طلسمِ کون میں محشر ہے — بچوں کی ہے بھیڑ دل رُبا منظر ہے
پوچھا کہ ہیں یاں رقص میں کیوں بابا لوگ؟ — فطرت نے کہا "ولایتی چکّر ہے"

(۲۷)

معدوم کا غم نہ فکرِ موجود کرے — محدود خوشی وہ غیرِ محدود کرے
قائم ہو اگر کہیں لڑکپن کی بہار — ہر عمر میں آدمی بکر کود کرے

(۲۸)

رخصت ہوئی طفلی کی وہ صبحِ گلفام — لاتی تھی نسیم جب کہ عشرت کے پیام
پھولی ہوئی ہے خضاب کی منہ پہ شفق — پیری کی خبردار! کہ آ پہنچی شام

(۲۹)

دکھلائی دیا راہ میں کل بُوڑھا ایک — رکھتا تھا وہ صورت کی طرح سیرت نیک
جاتا تھا چلا وہ اپنے ہی پانوؤں سے گو[1] — لیتا تھا مدد پہ ہر جگہ لکڑی ٹیک

(۳۰)

پاتا نہیں موت پر کوئی شخص ظفر — ممکن ہی نہیں اس سے کسی طرح مفر
ہر چند کہ اس سفر میں سختی ہے بہت — سہ لے کہ مصیبت ہے تقاضائے سفر[2]

(۳۱)

جب تکملۂ عقل میں جکڑا بھی چکے — سر بابِ عبودیت پہ ٹکرا بھی چکے
ہر وقت دکھاتے ہیں وہ اب حجت کا ڈر — بہتر ہے کسی طرح یہ جھگڑا بھی چکے

(۳۲)

گو اپنی بساط بھر بہت اڑتے ہیں — آنکھوں پہ مگر وہی پڑے پردے ہیں
دُشوار ہے اوہام کی ظلمت سے نجات — گو لر ہے یہ عقل اور ہم بھنگے ہیں

(۳۳)

یہ عُمر کے سال سَو ہوں یا ہوں نَبّے — آ بیٹھیں گے ایک روز چیل اور کوّے
ہو جائیں گے دونوں اُنکے پنجے میں اسیر — طوطے ہوں زبان کے وہ یا ہوں کوّے[3]

---

[1] گو اور ٹیک میں ایہام لطیف ہے۔ انگریزی میں گو کے معنی ہیں جانا اور ٹیک کے معنی لینا۔
[2] انگریزی میں سفر کے معنی ہیں سہنا۔ یہ صیغۂ امر۔ سہ لے۔ [3] کوّے کے دو معنی ہیں۔
ایک تو جانور مشہور۔ دوسرے ایک عضو۔ یہاں دونوں معنی ٹھیک بیٹھتے ہیں۔

(۳۴)

عاشق ہو تو جسم سا کہ بے شاہدِ جاں — بے ہوش ہے۔ بے حواس ہے بے تاب و تواں
سینہ ہے فگار، دل ہے شق، خوں ہے جگر — بند آنکھیں ہیں، لیکن اشکِ حسرت ہیں افشاں

(۳۵)

زینت دہِ دشت داغ ہو سکتے ہیں ہم — خجلت دہِ شب چراغ ہو سکتے ہیں ہم
ہوتے اگر اس باغِ جہاں میں ہم پھول — ہر باغ میں باغ باغ ہو سکتے ہیں ہم

(۳۶)

کس لطف سے شب سیرِ فطر میں کاٹی — ہر گھاٹ۔ طلسم سحر تھی ہر گھاٹی
صحرا نے لگا رکھا تھا مخمل کا فرش — دریا نے بچھا رکھی تھی سیتل پاٹی

(۳۷)

کیا حسن جو گلشن کی زمینوں میں نہیں؟ — کیا لطف جو غنچوں کے نگینوں میں نہیں؟
ہے صبح کے وقت شاہدِ گل میں جو بات — واللہ وہ شام[1] کی حسینوں میں نہیں

(۳۸)

---

[1] ملک شام کی عورتیں جن کا حسن مشہور ہے ، یا وہ عورتیں جو شام کے وقت نکھر کر تھوڑی دیر کے لئے حسین بن بیٹھتی ہیں۔

ہے نامیہ یاں اڈیٹر و نامہ نگار — دکھلاتی ہے طبع[1] چھاپے خانے کی بہار
از روئے خود رشکِ گرافک[2] ہیں شجر — شاخیں[3] ہیں جریدہ، برگ ہیں نقش و نگار

(۳۹)

صحرا میں درختِ سبز رخت آئے ہیں — فردوسِ بریں سے یہ درخت آئے ہیں
ہے تختۂ سبزہ تخت اور گلبن تاج — کس گل کے لیے یہ تاج و تخت آئے ہیں!

(۴۰)

باغوں میں جو پیڑوں کے گڑے ہیں جھنڈے — آتے ہیں جھکولے اُن سے ٹھنڈے ٹھنڈے
ہے امرِ بقائے نوع میں مثلِ طیور — گویا ہیں یہ مرغِ سبز، پھل ہیں انڈے

(۴۱)

شاہانہ ادا سے ہے کھڑا ہار سنگار — قامت پہ ہے حلّۂ بہشتی کی بہار
خوش بو کا کھنچا ہے شامیانہ سر پہ — پھولوں کا بچھا ہے فرشِ پُر نقش و نگار

(۴۲)

بستر پہ کسی حسین البیلی کے — کچھ پھول پڑے ہوئے تھے چنبیلی کے
شرمندہ تھا اُن کے ڈھنگ سے حسنِ فرنگ — تیور تھے لجائے ہوئے مس بیلی کے

(۴۳)

بھاتا ہے کہاں چمن میں گندھی کا عطر — ہر پھول کا، خس کا، خواہ مٹی کا عطر
قنوج میں باغ کے چنبیلی کا پیڑ — مٹی سے ہے کھینچتا چنبیلی کا عطر

---

[1] طبع ایک تو نیچر دوسرے چھاپا۔ لطفِ ایہام ہے۔

[2] ایک مشہور انگریزی اخبار جس میں بہت ساری تصویریں ہوتی ہیں۔

[3] شاخ اور اخبار۔ یہاں بھی وہی لطفِ ایہام ہے۔

(۴۴)

کیا کہنے ہیں نوجوان البیلے کے　　ہیں ڈھونڈتے ہار مونیا بیلے کے
پھولوں کی طرح جامے میں پھولے نہ سمائیں　　جس وقت خرید لیں یہ دو دھیلے کے

(۴۵)

ترشی میں بہار ہے عجب خوش بو کی　　خوش بو میں ہے چاشنی غضب جادو کی
ہیں ذائقہ اور مشام دونوں بے خود　　کیا بات ہے واہ کاغذی نیبو کی

(۴۶)

شاخوں کو کریگا شاخ زرّیں جب ثمر　　دکھلائیں گی کیریاں زمرّد کے طور
کچھ روز میں پتّے یوں کریں گے ارشاد　　ثمری کے ہیں کونپے آم کر دیکھیے غور

(۴۷)

رزّاق کی رحمت کا جہاں جلوا ہے　　ہر شاخ میں جلوۂ منّ و سلویٰ ہے
حلوے کی دوکان ہے وہ کیلے کا درخت　　کیلا وہ نہیں ہے قدرتی حلویٰ ہے

(۴۸)

کس پردے میں ہے نعمتِ خالق کا ورود　　اشجار میں رحمت کے لگے ہیں امرود
لذّت وہ کہ ہو خشک زباں شکر سے تر　　خوش بو وہ کہ ہو قرضِ بیاں وردِ درود

(۴۹)

معدے سے نکالتا ہے کلفت کا مغز　　بھرتا ہے قویٰ میں حسن صحّت کا مغز
سمجھو تو یہ سر ہے بوعلی سینا کا　　ہے بیل کی کھوپڑی میں حکمت کا مغز۔

(۵۰)

خربوزے کا حق نے نقشِ پیکر باندھا — پُڑیا میں عجب قندِ مکرّر باندھا
اک کوزۂ قند زرد کاغذ میں لپیٹ — ہے سبز رسن سے خوب کس کر باندھا

(۵۱)

تربز کے ہرے شیشے میں ہے سیر بھری — اس شیشے میں ہے طلسم کی جلوہ گری
پہنے ہوئے برف کا گُلابی جوڑا — ہے چین سے لیٹی ہوئی لذّت کی پری

(۵۲)

ہو کام و زباں کو کیوں نہ تربز کی یاد — شادابی کو جس کی دیکھ دل ہوتے ہیں شاد
کرتا ہے مزے سے شکل دنیا کی کھڑی — ہے اس میں عجب مزے کی دُنیا آباد

(۵۳)

ہے برف کے سانچے میں ڈھلا ہر ہر تُخم — امرت جسے سمجھے گرمیوں میں ہر نیز
ہیں نیم قبائیں سُرخ سبز کھٹیلوں میں بھری — کب ہیں یہ پیر آگ کے شہیدی تربُز

(۵۴)

بھُٹّوں سے دکان جو بھری ہیں چھڑیاں — رونق یہ ہیں جن سے زندگی کی گھڑیاں
ہے دُرجِ زمرّدیں سے ریشم کی نمود — مُنہ تک ہیں بھری جو موتیوں کی لڑیاں

(۵۵)

کس لُطف سے کھیت میں کھلی ہیں کلیاں — آباد ہیں اس سبز نگر کی گلیاں
تسبیح زمرّدیں سے ہے اُن کو لگاؤ — ہیں کس کی یہ انگلیاں مٹر کی پھلیاں؟

(۵۶)

کامل ہے یہ اپنے کام میں تاڑ ہے نیم　　استقام کے دل ہیں اس اُترے سے دو نیم
ہر پھول سے آتی ہے ہوائے فردوس　　ہر پھل سے ہے موج زن شرابِ تسنیم

(۵۷)

تاڑوں نے جو کر رکھی ہے جاری یہ سبیل　　نکلی ہے یہ پیاسوں کے لئے خوب سبیل
ہر باغ میں نخل ہے فی سبیل اللہ کا　　سیراب بہر سبیل ہوں ابن السبیل[۱]

(۵۸)

ساقی ہے کبھی تاڑ کبھی نقل فروش　　مدہوش کے سر کو ہے کبھی دارو ہوش
کناس کبھی ہے یہ کبھی ہے فراش　　معمار کبھی ہے یہ کبھی خانہ بدوش

(۵۹)

وُہ تاڑ کہ جس پہ واعظوں کی ہے لتاڑ　　لیتا ہے دلی خواہشِ احباب کو تاڑ
ہے صلحِ کل اس کا مشرب از راہِ صفا　　مشرب کی صفا سے خادم القوم ہے تاڑ

(۶۰)

چھل کر جو یہ آئے تاڑ کے کوسئے ہیں　　اُترے ہیں فلک سے دُودھ کے دھوئے ہیں
کیا کہئے کہ چھلکے سے جُدا ہوتے وقت　　کس زور سے پھوٹ پھوٹ کر روئے ہیں

---

[۱] راہ کا آدمی یعنی مسافر۔ راہ گیر۔　　[۲] خاک روب

(۶۱)

آغا تم اُن انگوروں سے کیا پاؤ گے پھل؟ ہے اونٹ کے منہ میں صاف زیرے کی مثل
راجا ہے پھلوں کا گو ہے کملی اوڑھے سو قلیوں پر ہے حکمراں ایک کٹہل

(۶۲)

بے جا نہیں ہندوؤں میں اِیڑ کی عظمت ہے قصرِ زمرّدیں کی ساری شوکت
رائی سے بڑا نہیں اگرچہ کوئی بیج لیکن اسی رائی میں چھپا ہے پربت

(۶۳)

بڑھنا ہے اُن اشجار کا گھٹنے کے لئے سِلتی ہے قبائے برگ پھٹنے کے لئے
جھومیں نہ بہت کہ کہہ رہا ہے تیشہ "یہ سر بہ فلک آیا جڑ سے کٹنے کے لئے"

(۶۴)

ہے صبح بہار کی خوشی یاروں میں رونق ہے ثوابت اور سیّاروں میں
دل میں اُتر آنے والی کویل کی وہ کوک کس شان سے گونجی ہے گلزاروں میں

(۶۵)

گلزار میں کویل یہ نہیں گاتی ہے سیٹی ہے جو ریل کی خبر لاتی ہے
اپریل زبانِ حال سے کہتا ہے اب ریل بہار کی چلی آتی ہے

(۶۶)

چڑیوں کا ہے وقتِ صبح گلبن پہ ہجوم چوں چوں سے مچی ہے اُن کی گلزار میں دھوم
ہر نغمے پہ اُن کے جھومتی ہیں شاخیں غنچہ بھی خوشی میں آ کے منہ لیتا ہے چوم

(۶۷)

جس طرح کہ ہے دل کا تقاضا کہتا — ہے بادِ سحر سے شوق اپنا کہتا
ہر ٹیر میں ہے جلے بھنے دل کی صدا — کس دُھن میں ہے "پی کہاں" پپیہا کہتا

(۶۸)

قدرت کی بہار جب دکھاتے ہیں درخت — گلشن میں عجیب گُل کھلاتے ہیں درخت
معلوم نہیں شاخوں پہ گاتے ہیں طیور — یا آپ خوشی میں آ کے گاتے ہیں درخت

(۶۹)

جب برگ شجر کو حلّۂ اخضر دیں گے — اور پھول ہوا کو مشک و عنبر دیں گے
شاخوں کے حسیں زمرّدیں زینوں پر — خوش لہجہ طیور خوب لکچر دیں گے

(۷۰)

طوطی خوش الحاں کہ ہے پھولوں میں پلی — چونچ اُس کی ہے باغ میں خوش آیند کلی
غنچہ یہ اگر شگفتگی پر آئے — ہر دیس میں اُس سے ہو عیاں رام کلی[۵۱]

(۷۱)

جاڑوں میں جو آتے ہیں پرندوں کے پرے — باضابطہ رہتے ہیں ورے اور پرے
اڑنے میں دکھاتے ہیں قواعد کی بہار — اچھا ہو جو فوج اُن کی تقلید کرے

(۷۲)

قُدرت کے تقاضوں سے ہوئی مجبوری — کی کوّے کے جوڑے نے عمارت پوری
آیا یہ نظر پھر اُس عمارت میں طلسم — کوّے ہوئے فیروزۂ نیشاپوری

---

۵۱ رام کلی ایک راگنی کا نام ہے۔

(۷۳)

کرتا نہیں عمر بھر کسی سے یہ نباہ   کیا جانیں ہے کتنی مرغیوں سے اُسے راہ
اس تلج کے تیور ہی کہے دیتے ہیں   مرغا نہیں قدرتی اودھ کا ہے یہ شاہ

(۷۴)

کیا غم ہے جو بُوم ایشیا والوں میں شُوم   یورپ میں تو اسکی عقل و دانش کی ہے دھوم
دیوانِ حماقت میں یہ روشن دل رخ   مشغولِ تمنا ہو جب کہ روشن ہوں نجوم

(۷۵)

تزئین ہے اُن سے عَلَمِ قدرت کی   ترکیب ہے اُن سے پرچمِ قدرت کی
پہنے ہیں جو تتلیاں قلم کار یہ چھینٹ   ہے بو قلمونیِ قلمِ قدرت کی

(۷۶)

رنگین ہیں اُس صاحبِ قدرت کے بھید   ہر رنگ میں قدرت ہے جھلکتی جاوید
چرتی ہے ہری دُوب یہ کالی بکری   ہے لال لہو کہیں۔ کہیں دودھ سپید

(۷۷)

حیوان بھی رکھتے ہیں طرب کے اشغال   رقصاں ہیں گدھے بغلیں بجاتے ہیں بغال[1]
ہیں قبر پہ تان سین کی راتوں کو   مُوسیقی کے اشغال میں مشغول شغال

---

[1] بغال جمع بغلہ۔ بغلہ عربی میں خچر کو کہتے ہیں۔

(۷۸)

ہے زیبِ بدن اُونی فلالین کا سوٹ[1] ہے بلٹ[3] ٹنک، پڑا ہوا ہم آپ پہ ٹوٹ
میدان میں نائٹ ڈیم[4] کے بابا لوگ کس ٹھاٹھ سے ناچتے ہیں ڈانٹے ہوئے بوٹ

(۷۹)

بندر کہ ہے تقلیدِ زلیوں پر مرتا جبھی ہے قدیم انساں کے قدم پر دھرتا
بچّہ بھی سمجھتا ہے کہ یہ نامیموں فطرت کی سبھا میں ہے تمسخر کرتا

(۸۰)

ٹٹّی[4] پہ تھے پھیلے گچھّے گچھّے انگور ڈوبے ہوئے رس میں میٹھے میٹھے انگور
اُچکی تو بہت پہ لومڑی پا نہ سکی کہنے لگی "کون کھائے کھٹّے انگور"

(۸۱)

خاموش کہ ہے بیانِ تسمیۂ فار[5] کرتی ہے موجّہ اُس کو توجیہ فرار
بے شک یہ سخن قریب ہے معنی سے بلّی سے فرار کے سبب دور ہے فار

(۸۲)

شب آ کے گھٹا ٹوپ جو پھیلاتی ہے اک مژدہ چھچھوندر کے لئے لاتی ہے
پھرتی ہے ہنسی خوشی گلی کوچوں میں ظلمت اُسے لالٹین دکھلاتی ہے

۱؎ انگریزی پوشاک۔ پورا جوڑا۔ ۲؎ کمربند۔ ۳؎ میش بہادر۔ بہادر اس لئے کہ لڑائی کا جانور ہے۔ ۴؎ یہ حکایت ماخوذ ہے امثال لقمان سے۔ یہاں لومڑی کی فطرت دکھانے کو لکھی گئی۔
۵؎ فار چوہا۔ اگر فارہ کا مخفف مانیں تو بھاگنے والا۔ اگر فار کو انگریزی تسلیم کریں تو بمعنی دور
اور فار میں مترجمۃ اللفظ بھی ملحوظ ہے۔

(۸۳)

سیمابی[1] سما میں حوت[2] بیتابی سمک
ہے تجمّع فروز صلابت آنکھوں کی چمک
عینک[3] کا ہے نال جن کو ہر قطرۂ آب
ہر موج کی لہر جن کو آبی عینک

(۸۴)

دکھلایا ہمیں خضر شجر نے اک شہر
رحمت نے بجھا رکھی تھی واں آتشِ قہر
ظلمات میں گو گھر کے تھا وہ شہر آباد
تھی موج زن اُس میں زندگانی کی نہر

(۸۵)

یادینہ کتب نہ میکس مولر[4] دیکھے
عبرت کی نظر سے ایک گولر دیکھے
دو انچ کے دائرے میں اتنی مخلوق
یاں کوئی محیطِ صنعِ اکبر دیکھے

(۸۶)

آتش کدہ جب ہو نام ہو زدل گھر کا
پانوؤں تلک آتا ہو پسینا سر کا
ہر وقت ہوں مہر کے غضب کے تیور
پنکھا ہے ہوا خواہ زمانے بھر کا

---

[1] سیمابی، سما پارے کا آسمانی یعنی دریا۔ [2] حوت ایک بورج کا نام ہے۔

[3] عینک اور نال اور قطرے میں لطفِ ایہام ہے۔

[4] ولایت [illegible] کا ایک بہت بڑا [illegible] جو اوّل درجے کا عالمِ زبان اور علامۂ زمانہ ہے۔
سنسکرت کی قدیم کتابوں سے اس کو بہت ذوق ہے۔

(۸۷)

چلتی ہے ہوائے گرم اُڑتی ہے گرد   ہے گرد و غبار سے رُخِ گردوں زرد
پچھوا کے ستم سے ہے پریشاں ہر فرد   ہے اپنی جگہ میں گرم پانی بھی سرد

(۸۸)

پانی سے ہیں یاں بھرے ہوئے جتنے ظرف   سردی سے ہیں برف پر بھی لکھتے کچھ حرف
پچھوا کے ہیں یہ کرشمے سچ کہتے ہیں   ایجاد ہے اہلِ غرب کی صنعتِ برف

(۸۹)

قدرت نے بنائی ہے عجب برف کی کل   جس میں کہ نہ کچھ امونیا[1] کو مدخل
جس وقت دیا رُخِ ہوا اُس نے بدل   پل مارتے ہیں گئی ہزاروں من ڈھل

(۹۰)

کیوں کر[2] نہ ہو دل کو آبِ کہسار کی پیاس   ہے شیر و شکر جس کی صفائی سے مٹھاس
پانی میں گلاس کی صفائی ہے بھری   شربت سے بھرا ہوا ہے پانی کا گلاس

---

[1] امونیا ایک مصالح ہے جس کی برف بنانے میں بڑی ضرورت ہے۔ بغیر اس کے برف بن ہی نہیں سکتی۔

[2] اس رباعی کا لطف پوری طرح جب حاصل ہوگا کہ عربی کے یہ دو شعر بھی ذہن میں رہیں۔

رقّ الزجاج ورقت الخمر   فتشابہا وتشاکل الامر
لست ادری لرقۃ وصفاء   ھی فی کاسہا ام الکاس فیہا

(۹۱)

فوّاروں کے چھینٹے جس جگہ گرتے ہیں
موتی ہی وہاں چار طرف جھڑتے ہیں
اربابِ نظر دیکھ کے قدرت کی یہ سیر
فوّارہ نمط اُچھل اُچھل پڑتے ہیں

(۹۲)

دُنیا ہوئی زہرہ۔ برسے اولے
خوب ابر کے جوہری نے موتی رولے
ہے جھونپڑا جھونپڑا جواہر خانہ
گھر گھر نے جواہر کے خزانے کھولے

(۹۳)

دِن ختم ہوا رات کی نوبت آئی
آفاق میں رفتہ رفتہ ظُلمت چھائی
ظُلمت میں ہے پُر لُطف خموشی کا طلسم
سنّاٹے میں ہے طلسم کی گویائی

(۹۴)

محلوں میں نہیں وہ گُفت گو کا عالم
کوچوں میں نہیں وہ جُستجو کا عالم
گرمی کے ہیں دن تمام سنّاٹا ہے
دوپہر ہے ٹھیک اور ہو کا عالم

(۹۵)

لپٹے ہیں پہاڑ فارغ البالی سے
لپٹے ہوئے گُل زمرّدیں قالی سے
ہے زیرِ نقابِ نیلگوں شاہدِ صبح
مشغولِ کرشمہ منظرِ عالی سے

اخلاق

(۹۶)

کچھ شئے نہیں اشرفِ خدائی ہونا   یا مُستہِم عقل آزمائی ہونا
ہو جانا ہمارے دم سے ہر گھر میں فروغ   لازم تھا ہمیں دیاسلائی ہونا

(۹۷)

کیوں ہم بشری جمال پیدا کرتے؟   کیوں ہم ملکی کمال پیدا کرتے؟
دُنیا کے شفاخانے میں ہوتے مرہم   ہر زخم میں اندمال[1] پیدا کرتے

(۹۸)

وحشت ہے کہاں جو یہ کسی سے بھڑکیں   غصّہ ہے کہاں جو یہ کسی پر کڑکیں
بتلاتی ہیں ٹھیک ٹھیک منزل کا نشاں   ہیں جادۂ راستی پہ سیدھی سڑکیں

(۹۹)

خدمت کے لیے در پہ جبہ سائی کرتا   ہر راہ میں ہے کار روائی کرتا
ہادی ہے عصائے بے بصر اندھوں کا   اندھا نہیں گرچہ رہنمائی کرتا

(۱۰۰)

اس سے کہ کہیں کے شاہ ہو سکتے ہم   یا اِس سے کہ کج کلاہ[2] ہو سکتے ہم
بہتر تھا کہ خلق کی ہدایت کے لئے   ہر راہ میں شاہ راہ ہو سکتے ہم

---

[1] زخم کا بھرنا۔ آرام ہونا۔   [2] کج کلاہ لقب ہے شاہِ ایران کا۔

(۱۰۱)

اخلاق میں ہے کمال گنّا کرتا
ہم ہیں تو ولی بھی نہیں اتنا کرتا
گو کوئی چکھاتا ہے اُسے تلخیٔ زخم
برعکس یہ مُنہ اُس کا ہے میٹھا کرنا

(۱۰۲)

کرتی نہیں افسوس زیاں کا رہ رہ
گھُٹتی نہیں دل میں رنج و غُصّہ سہ سہ
دکھلاتی ہے انجمن میں عالی ظرفی
کرتی ہے جو نقصاں پہ صُراحی قہ قہ

(۱۰۳)

لکڑی کہ ہے دل سوزی پہ چولھے میں اڑی
ہے چشم خرد میں رفعتی اُس کی بڑی
بھوکوں کی لگی کو ہے بجھانا جو اُسے
کس شان سے چُپ چاپ یہ جلتی ہے پڑی

(۱۰۴)

کیوں خوں کا ہے پیاسا؟ کیوں ہے خوں پہ مرتا؟
وہ پیاسوں کے جمگھٹوں کا دم تو بھرتا
ہے رتیر ترقی میں تنزّل کا شکار
ہے ڈول تنزّل میں ترقی کرتا

(۱۰۵)

جس حال میں ہوں طبع میں ہو خوش خوئی
جس کام میں ہوں قلب میں ہو یکسوئی
ہوں وقتِ عمل سارے جوارح اعضا
اوقات کے ضبط میں گھڑی کی سوئی

(۱۰۶)

ہے سامنے میز پر جو رکھی یہ گھڑی
جس فن سے کہ صنعت کی ہے جان اس میں پڑی
جب کیجئے نظر۔ ہے چل رہی اس کی زباں
غافل نہیں اپنے وقت سے ایک گھڑی

(۱۰۷)

رکھ دل کو قرینِ مشربِ صافی سے ہو جائے گی دُور ساری ظلمت جی سے
کھوتے ہیں دلوں کی تیرگی اہلِ صفا روشن ہے یہ خوب لمپ کی چمنی سے

(۱۰۸)

ہو خیر سے منظور اگر خیر نگہ رہ صحبتِ اہلِ خیر میں شام و پگہ
ملحوظ بصیرت ہو تو عینک کی طرح دے اہلِ صفا کو اپنی آنکھوں پہ جگہ

(۱۰۹)

خوش خُو ہے یہ بے زباں مگر ہے خوش گو بے عقل ہے پر ہے عاقلوں کی خُو بُو
از بس کہ حصولِ شئے ہے انجامِ تلاش ہے حسبِ اُصول فاختہ کی کُو کُو

(۱۱۰)

معقول ہے کرتا ہے جو چُوں چُوں یہ چڑا ہے ہم کو سکھاتا سبقِ چون و چرا
جس بیل کی کھوپڑی میں تفتیش نہیں بے چون و چرا ہے وہ سزاوارِ چرا

(۱۱۱)

سوچو تو ہے چڑیا کی زباں پر چُوں چُوں گر غور کرو کہتی ہے مُرغی کیوں کیوں
تفتیشِ سبب کا جو نہ لے اُن سے سبق بے چون و چرا وہ آدمی ہے دوں دوں

(۱۱۲)

سنجیدہ خیال جو ہیں فرخندہ خصال غفلت کو سمجھتے ہیں وبال اور نکال[۵۱]
گردش میں ہیں پر گھڑی کی سوئی کی طرح ہر پھیر کے ہے اُن کو وقت کا پاس خیال

---

[۵۱] نکال - عقوبت - عذابِ جان -

(۱۱۳)

پھیلے ہوئے ہر طرف ہیں حکمت کے ورق — کیوں کر نہ ہوں روشن اپنی آنکھوں کے طبق
کہتا[1] ہے قمر ہے حرکت میں برکت — ثابت قدمی کا شمس دیتا ہے سبق

(۱۱۴)

لو کوؤں سے حزم و ہوشیاری کا سبق — پھر کتوں سے لو وفا شعاری کا سبق
اشجار کو بھی ہے بذل و ایثار کا درس — دیتی ہے زمیں بھی ایمانداری کا سبق

(۱۱۵)

میدانِ عمل میں دادِ حق دیتی ہے — بینش کے یہ ہاتھ میں ورق دیتی ہے
مردوں کو۔ لڑا کے جان۔ بڑھ جانے کا — گھوڑوں کی مسابقت۔ سبق دیتی ہے

(۱۱۶)

ہر بزم میں اخلاق کا گلدستہ ہو — ہر رزم میں مرہمِ دلِ خستہ ہو
گر صحنِ خیال کی صفائی ہے غرض — جھاڑو کی طرح ابھی کمر بستہ ہو

(۱۱۷)

معنیٔ خرد یہ ہے خموشی مبنی — مسموع نہیں یاں سخنِ لایعنی
لازم ہے کتاب کی طرح چپ رہنا — ہیں جس کے سکوت میں ہزاروں معنی

---

[1] یہ قول نظامِ فیثا غورثی کے مطابق ہے۔

(۱۱۸)

رفعت ہے یہ ابر کی سخا کے باعث — ہے آب کی آب رُو صفا کے باعث
بے فیض نہیں یہاں کسی کی عزت — گنگا کا مہاتم[۱] ہے عطا کے باعث

(۱۱۹)

رونق ہے صدف کی یہ گہر بخشی سے — آوازہ ہے کانوں کا یہ زر بخشی سے
بخشش کا سمجھ لو بس اسی سے رتبہ — ہے نخل کو رفعت یہ ثمر بخشی سے

(۱۲۰)

بنتا نہیں خوش لقا اکڑ کر لقّا — بنتا نہیں حق شناس حق سے حقّا
ہر چھوٹے بڑے سے ہے وہ جھک کر ملتا — ہے زمزمِ انکسار پر جو سقّا

(۱۲۱)

بے مول[۲] تو اے جوانِ رعنا بِکنا — آجائے گا آپ تجھ کو میں نا کہنا
بکتا ہے جہاں انانیت کا کیا ذکر — ہر شخص کی ہے زباں پہ میں نا۔ میں نا

(۱۲۲)

دل صورتِ برف رکھتے ہیں صاحبِ شرم — صورت میں ہے سخت اور معنی میں ہے وہ نرم
ہے مشرقِ دل میں مہر پورب کی ہوا — ظاہر میں ہے سرد اور باطن میں ہے گرم

۱؎ عظمت۔ مذہبی تقدس۔ پرستش طلب بن لگ۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا، جس میں گنگا کا مہاتم اُٹھ جائے گا یعنی لوگ اُس میں نہائیں گے مگر کوئی اجر نہ پائیں گے۔ ۲؎ یہ رباعی تلسی داس کے اس قول سے ماخوذ ہے :۔ "مینا نے بیں نا کہا لاکھ ٹکے بکلائے"

(۱۲۳)

ہو ڈینگ نہ شیخی نہ تعلّی ہم میں
ہر طرح ہو اخلاق کی خوبی ہم میں
ہو کوہ کی طرح اپنی ہمّت عالی
چشموں کی طرح ہو سیر چشمی ہم میں

(۱۲۴)

اخلاق کا ہے ساختہ پرداختہ وہ
دل سوزِ خلائق کا ہے بے ساختہ وہ
ہے جس کے گلے میں طوقِ اُلفت کا پڑا
گلزارِ وفا میں ہے عجب فاختہ وہ

(۱۲۵)

محنت سے تُوی کے پھُول کھِل سکتے ہیں
پھل حکمت و تجربت کے مِل سکتے ہیں
کوشش کی نظر میں کب ہے مُشکل کا وجود
ہمّت ہو اگر پہاڑ[۱] ہِل سکتے ہیں

(۱۲۶)

خوبی کا ثبوت ہر طرح خوشبو دے
گو لاکھ بُرے خطاب اُسے بدگو دے
گُل چینِ[۲] امعانی نے کہا ہے کیا خوب
"جو نام گلاب کا رکھو خوش بُو دے"

(۱۲۷)

ہے جن میں کمال عقل مندی کی صفت
ہے جن کے خیال میں بلندی کی صفت
سُن[۳] لیتے ہیں جاہلوں سے بھی عقل کی بات
رکھتے ہیں جو معقول پسندی کی صفت

---

[۱] ہِل اور پہاڑ میں رعایت ترجمہ اللفظ ہے۔ ہِل انگریزی میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔
[۲] گُل چین معانی سے شیکسپیئر مُراد ہے۔ چوتھا مصرع اسی کے ایک مشہور قول کا ترجمہ ہے۔
[۳] بر نحواے الحکمۃ ضالّۃ المومن۔ حیثما وجد ھا فھو احق بھا۔

(۱۲۸)

مت موڑ سخن سے منہ کہ ممقوت[1] ہے وہ — رکھ کان[2] کہ کان سے کے لئے قوت ہے وہ
گر جوہریٔ[3] دل کو ہے جوہر کی شناخت — جو بات پڑی کان میں یاقوت ہے وہ

(۱۲۹)

ہم تم سے یہ بات کام کی کہتے ہیں — سچ جانو کہ بات واقعی کہتے ہیں
واقع میں ہے شغل زندگانی کی دلیل — مشغول کو نکتہ ور بزی[4] کہتے ہیں

(۱۳۰)

امداد خرد کو دم بہ دم پہنچائیں — تکلیف بدن کو بیش و کم پہنچائیں
بے کاری کی پھر کبھی مشقت ہی نہ ہو — گر کام کی مشق ہم بہم پہنچائیں

(۱۳۱)

اچھوں کی کوئی آن جو صحبت پالو — ہے دل کو یقین اُن کی محبت پالو
کیا اچھی یہ بات ہے کہ صحبت اُن کی — ہے اچھی ہی گو ہزار دیکھو بھالو[5]

---

[1] بیزاری کی بات جس بات سے خدا ناراض ہو۔ [2] مضمون تعیہا اذن واعیہ۔

[3] مضمون فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ، اُولٰئِكَ الَّذِينَ
هَدَاهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَاب۔

[4] بزی انگریزی زبان میں مشغول کو کہتے ہیں اور فارسی میں امر ہے زیستن سے۔

[5] اس میں اہل بنگالہ کے مذاق کی رعایت ہے۔ بھالو بنگالی زبان میں اچھی چیز کو کہتے ہیں۔
ایہاگام وہ معنی بھی یہاں درست ہیں اور دوسرا مطلب تو ظاہر ہی ہے۔

(۱۳۲)

یہ شغل ہے کیوں؟ کہ کام میں ہے برکت
اعمال کے التزام میں ہے برکت
اوقات کی تنگی کی شکایت ہے فضول
اوقات کے انتظام میں ہے برکت

(۱۳۳)

رکھتا ہے یہ محفوظ بلاؤں سے کماں
رہتی ہے بہت تنگ حریفوں کی مجال
ہے کشورِ دل میں شہرِ عزت کا حصار
کہتے ہیں جسے عظمتِ ذاتی[۱] کا خیال

(۱۳۴)

عاقل جو ہیں حزم و ہوشیاری کرتے
مطلق نہیں اعتمادِ یاری کرتے
ہوتا نہیں ان کو بھائیوں پر بھی وثوق
بیٹوں سے بھی ہیں یہ رازداری کرتے

(۱۳۵)

یہ دارِ خراب گھر ہے مکر و فن کا
اصلا نہیں اعتماد مرد و زن کا
ہر شخص سے عقل بدگماں رہتی ہے
واقع میں ہے حزم نام سوء الظن کا

(۱۳۶)

بے کار ہے منطقی کی عقل آرائی
بیہودہ ہے شاعر کی سخن پیرائی
دریائے حقیقت میں جو ہیں راست شنا
آتی ہے انھیں کو شیر کی تیرائی

(۱۳۷)

حق نے جو حواس تجھ کو بخشے ہیں یہ پانچ
معیار پہ راستی کے ہر ایک کو جانچ
سچی ہی سنا کر اور سچی ہی سنا
سچی ہی کہا کر کہ نہیں سانچ کو آنچ

---

[۱] انگریزی میں اس کو سیلف ریسپکٹ کہتے ہیں۔

(۱۳۸)

انصاف نہیں کہ تم غریبوں کو ستاؤ
ہر اچھے بُرے کو راہ نیکی کی بتاؤ
کیا خوب ہے دیکھنا یہ اچھوں کا سلوک
رکھتے ہیں بُروں سے بھی وہ اچھا برتاؤ

(۱۳۹)

وہ ترچھی ادا نہ بانکی صورت خوش آئی
وہ ناز خوش آئے نہ نزاکت خوش آئی
جس آن کہ چشمِ عقلِ انساں کی کھلی
خوش آئی تو اک چشمِ مروت خوش آئی[۱]

(۱۴۰)

ہے کسبِ معاش کا یہی خوب سبق
ہر وقت سکھاتا ہے جو حکمت کا ورق
لکھ لو اسے لیک روشنائی کی جگہ
ہو چاہیے صرف جاں فشانی کا عرق

(۱۴۱)

رکھتے ہیں جو حلم بُردباروں کی طرح
کرتے نہیں شور آبشاروں کی طرح
گر نارِ غضب کبھی بھڑک اُٹھتی ہے
برساتے[۲] ہیں آگ کو مہساروں کی طرح

(۱۴۲)

---

[۱] آئی انگریزی میں آنکھ کو کہتے ہیں چشمِ مروت کے لحاظ سے اس لفظ کا لطف اہلِ نظر پر پوشیدہ نہیں۔ [۲] جبھی تو آں حضرتؐ نے حلیم کے غصے سے پناہ مانگی ہے۔

بے چین نہ ہو غموں میں۔ غم کچھ بھی نہیں | دم بھر کی یہ ٹمیس ہے، الم کچھ بھی نہیں
پارے گا ہر اِک دُکھ میں بہت کچھ آرام | گر دل میں یہ ہے سمجھ کہ ہم[1] کچھ بھی نہیں

(۱۴۳)

سیماب[2] کہ مضطرب ہے افزوں زِ قیاس | گر شیشے سے قائم اپنی تمکیں کی اساس
ہر طرح کے سرد و گرم سے ہے واقف | ہے صحت جسم و فصل کا نبض شناس

(۱۴۴)

گر کانِ طبیعت میں ہو سیماب مزاج | اُس پارے کا کر شیشۂ تمکیں سے علاج
تا ہو نہ مزاج و فصل کے جانتے میں | تھرمامیٹر[3] و بیرومیٹر[4] کا محتاج

(۱۴۵)

دولت کے بھروسے پہ نہ ہونا غافل | بہتر نہیں اوقات کا کھونا غافل
واقع میں ہیں بیدار اُسی شخص کے بخت | جس شخص کو کر سکے نہ سونا[5] غافل

(۱۴۶)

کہتے ہو کہ کر لیں گے ہم اُس کام کو کل | ایسا نہ ہو کل بھی ہاتھ سے جائے نکل
جس کل سے بنے آج ہی فرصت کر لو | کل چاہے چلے یا نہ چلے کام کی کل

---

[1] ہم ضمیرِ جمع متکلم۔ یہ معنی لو تو مضمون خاصہ صوفیانہ ہے۔ نفی ماسوی اللہ۔ اور اگر غم کا مُرادف خیال کرو، تو بھی حکمت سے خالی نہیں۔ قل لن یحمل ھمّا۔ ان ھمّا لا یدوم۔ [2] یہ رباعی تھرمامیٹر اور بیرومیٹر کی تعریف میں ہے۔ اس سے ضمناً یہ نصیحت نکالی ہے کہ انسان کو اپنے طبیعی اضطراب کی (جو اذکیا کا خاصّہ ہے) ضبط و تمکین سے تعدیل لازم ہے۔ [3] مقیاس الحرارت جس سے حرارت اور برُودت دریافت کرتے ہیں۔ ٹمس کی حرارت بھی اس سے معلوم کی جاتی ہے۔ [4] مقیاس الموسم۔ [5] خواب اور زر و طلا جس کی اشرفی بنتی ہے۔

(۱۴۷)

بے جا ہے سوال مذہب و مشرب کا ہے قافلے کا قافلہ کنبا[۱] رب کا
یاں درجہ بدرجہ سب ہیں شایانِ سلوک مطلب ہے یہ اَلاَقرَبُ فَالاَقرب کا

(۱۴۸)

اُلفت کے پیام لانے والے اخلاق ہر شخص کے دل کو بھانے والے اخلاق
اے خالقِ کُل عطا کر ازراہِ کرم کُل خلق کا دل لُبھانے والے اخلاق

(۱۴۹)

شائع ہیں جو لوگوں میں یہ اخلاقِ رذیل کی ہم نے ہر اک کی کیمیاوی تحلیل
بے حصر بھرے ہیں مکر و فن کے اجزا عیّاری عمرو کی ہے گویا زنبیل

(۱۵۰)

اخلاق کے رُو سے ہم ہیں اس درجہ ذلیل گر کوئی کرے بیٹھ کے اُن کی تحلیل
ہر خُلق میں پائے گا وہ فحمیہ[۲] عیب ہے سوءِ تنفس شرف اُن کی دلیل

(۱۵۱)

چل بسنے سے عقل کے طبیعت ہوئی رانڈ سرکش ہوا نفس سرکش اس رانڈ کا سانڈ
اوقات ہے اُس کی فحش اور پھکڑ پر ہے انجمن دروں میں یہ سبزہ بھانڈ

(۱۵۲)

---

۱ الخلق عیال اللہ۔ ۲ فحمیہ عربی میں ترجمہ ہے کاربن کا۔ اس کا خاصہ یہ ہے کہ سوءِ تنفس پیدا کرتا ہے۔

لازم نہیں اس دولتِ فانی پہ دماغ — کر شکر جو حاصل ہے ترے دل کو فراغ
مت تیغِ زباں سے کر دلوں کو گھائل — بھر[1] جانے پہ زخم کے بھی رہ جاتا ہے داغ

(۱۵۳)

کچھ عقل جو ہیں حزم کے ہیں لاگو وہ — چوگانِ مصائب کے ہیں گویا گو وہ
کرتے نہیں حفظِ ماتقدّم اصلا — بھک ماریں گے۔ کھائیں گے بہت ساگو[2] وہ

(۱۵۴)

کم ظرف تھے ڈالی ہے تعلّی کی طرح — منصوبے ہیں لاکھوں شیخ[3] چلی کی طرح
دو چار ہی ہیں گرچہ گرہ میں پیسے — ہر وقت ہے تُرش رُو وہ املی کی طرح

(۱۵۵)

ہر چند کروڑوں ہی بھرے ہیں کیسے — منحوس[1] تہی دست ہیں کنجوسی سے
ہر آن ہے وقتِ نزع نکلا جاتا — کوڑی ہے مگر کہاں نکلتی جی سے؟

(۱۵۶)

لیتا تھا جو بحر میں تعلّی کے بُخار — بھڑکی تھی نصیب اعدا[2] کی۔ برق کی مار
ہے اشک کی جا لگی ہوئی منہ کی جھڑی — لوٹتا ہے ہچکیوں سے پڑا زار و قطار

(۱۵۷)

ہر عیب ہے گرچہ خوش آمد معیوب — بالطبع ہے پر طبع بشر کو مرغوب
قاصد کے لئے ہے یہ مقاصد کا حصول — طالب کے لئے ہے یہ وصول المطلوب

؎۱ یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے۔ لِلّٰہ درّہ۔ ؎۲ ایک غذا کے دوائی جو ڈاکٹر عموماً مریضوں کو بتاتے ہیں۔ لیکن ساگو بہت کے ساتھ لیجئے تو لطیف ظرافت بھی ہے۔ ؎۳ عام بول چال میں بخیلوں کو اسی لقب سے یاد کرتے ہیں۔

(۱۵۸)

کیوں کر نہ ہو کشورِ خوشامد زرخیز؟ — زرخیز زمیں ہے، آسماں ہے زرریز
وہ لوگ بھی ہیں کبھی کبھی اس کے اسیر — ہے جن کو بہت بہت خوشامد سے گریز

(۱۵۹)

شہبازِ خرد میں ہے دھرا کیا شہباز؟ — بے سود ہے صیدِ زر میں اُس کی پرواز
ہو پنجۂ اقبال میں دولت کا ہما — مل دے[۱] کسی اُلّو کو اگر روغنِ قاز

(۱۶۰)

گر دیجیے خوشامد کا سخن کو پرداز — دشمن بھی کرے حسنِ عنایت آغاز
دی یوں نہیں پانی نے اُسے سر پہ جگہ — کثرت سے ملا ہے تیل نے روغنِ قاز

(۱۶۱)

فی الاصل جو فرضِ منصبی اصلی ہے — اصلاح وہ اپنے نفسِ خود بیں کی ہے
کس طرح وہ دیوِ نفس پر غالب آئے — ڈیوٹی[۲] جسے دیوتی نظر آتی ہے

(۱۶۲)

کاہل کو حصولِ کیمیا ہو کیوں کر؟ — غافل پہ نگاہِ اولیا ہو کیوں کر؟
کوشش کا اگر نہیں میسر تعویذ — بتلاؤ تمہیں ردِّ بلا ہو کیوں کر؟

---

[۱] روغنِ قاز ملنا اصطلاحِ اہلِ مدارس میں خوشامد کا مرادف ہے۔ [۲] ڈیوٹی فرضِ منصبی۔ دیوتی اور ڈیوٹی میں بہ ظاہرِ نظر کتابتہً چنداں فرق نہیں۔

(۱۶۳)

روشن ہے اُسی میں غولِ صحرا کا چراغ　　سر سبز اُسی میں ہے پرستاں کا باغ
آباد اُسی میں ہیں ہزاروں آسیب　　اعجوبہ ہے زود اعتقادوں کا دماغ

(۱۶۴)

کم سن ہو کہ سن رسیدہ۔ بینا ہو کہ کور　　ذی علم کہ بے علم۔ قوی یا کم زور
ہر دل میں ہے کچھ نہ کچھ تحکّم کی اُمنگ　　ہر سر میں ہے کچھ نہ کچھ حکومت کا شور

(۱۶۵)

چلتی ہے زباں کی تیغ ہر ایواں میں　　جوہر ہے یہ چمکا ہوا ہر انساں میں
پَر مرد کے کھلتے ہیں اُسی دم جوہر　　جب جان پر آن[1] بنتی ہے میداں میں

(۱۶۶)

ہر دل میں جُبلّتہً ہے تصنیف کا شوق　　ہر سر میں ہے طبعاً اختراعات کا ذوق
ہر نُطق پہ جاری ہیں مضامینِ جدید　　اس باب میں منفرد نہیں غالبؔ و ذوقؔ

(۱۶۷)

جاری کوئی درس و مدرسہ ہے کرتا　　اصلاحِ اُمَم کا دم ہے کوئی بھرتا
فرزند کی خاطر ہے کوئی وقفِ دُعا　　ہر شخص بقائے نام پر ہے مرتا

○

---

[1] یہاں بھی اہل بنگالہ کے مذاق کی رعایت ہے۔ پران بنگالیوں کے روزمرّے میں جان کو کہتے ہیں۔ پس جان اور پران میں ترجمۃ اللفظ کا لطف پیدا ہوا۔

تعلیم

(۱٦۸)

گر چاہیے کہ دل سے دُور ہو جہل کا مَیل — کھو شمعِ مُطالعہ سے تاریکیِ لیل
جنگل سے گُزر، دشت میں پھر، کوہ کو پھاڑ — ہو علم کے قُلزم کے لئے شوق کا سیل

(۱٦۹)

شیخی کا چلن ہے نہ شیخت کا رواج — مفقود ہے سکّۂ سیادت کا رواج
اس عہد میں ہے یہ چہرہ شاہی سکّہ — کیوں کر نہ ہو نقدِ قابلیت کا رواج

(۱۷۰)

رکھتے ہیں جو یاں ذہن وہ کاجن کی طرح — ہے وا اسے پسند عقل کو جن کی طرح
بھر بھر کے ہنر کی گاڑیوں میں دولت — لے جائیں گے کھینچ کر وہ انجن کی طرح

(۱۷۱)

آنکھوں پہ ہے جن کی عینک عینِ عُلوم — اَعیانِ وجود میں وہ ہیں عینِ علوم
ہیں چشمِ پدر میں قُرّۃُ العینِ پدر — ہیں عینِ خرد میں قُرّۃُ العینِ علوم

(۱۷۲)

نافع نہیں اِس دَور میں علمِ ابجد — ہر در پہ لگا ہوا ہے قُفلِ ابجد
دولت کی تلاش ہے تو کر علم حصول — کوشش سے نہ جی ہار کہ مَن جَدَّ وَجَد[۱]

---

[۱] جوئندہ یابندہ۔

(۱۷۳)

جس دم کہ ہے تربیت کا فیضاں ہوتا
ناداں بھی ہے ہوش مند و داں ہوتا
وہ چیز ہے تربیت کہ کچھ مدت میں
اک قطرۂ ناچیز ہے انساں ہوتا

(۱۷۴)

مردانہ ہیں معرکوں میں بڑھنے والے
زینوں پہ ترقی کے ہیں چڑھنے والے
پاتے ہیں تمام قابلوں کی صحبت
دنیا میں جو ہیں کتاب پڑھنے والے

(۱۷۵)

ہے بیلدِ کتاب مردِ زیرک کی طرح
دانش ہے جُزوِ[۱] غیر منفک کی طرح
گر عینکِ غور ہم لگا کر دیکھیں
کاغذ نظر افروز ہے عینک کی طرح

(۱۷۶)

اخبار کی ناو پر جو پار اتریں گے
بے ہوش چڑھیں گے ہوشیار اتریں گے
پاؤ گے ہر اک علم میں مشق ان کی پڑھی
ہر فن میں وہ کامل العیار اتریں گے

(۱۷۷)

کالج جو علوم کی طلب میں جائیں
تہذیب کلام کو کلب میں جائیں
مشکل سے ہو صاف گرچہ آئینۂ دل
آساں رہِ قلب[۲] سے حلب میں جائیں

---

[۱] ایسا جُزو کہ جُدا نہ ہو سکے۔ جُزو میں بہ لحاظ کتاب لطف ایہام بھی ہے۔ [۲] اس کے دو معنی ہیں دل کی راہ اور مشکل راہ۔ اور یہاں دونوں معنی مفید ہیں۔

(۱۷۸)

یہ جہل کم از لقوہ و فالج تو نہیں — بقراط سے کم اس کا معالج تو نہیں
امراضِ دماغی کا شفا خانہ ہے — تہذیب کے رمنہ میں یہ کالج تو نہیں

(۱۷۹)

چُنتا ہے کلب میں علم کی نیز ہُنر — ہو بھوک تلاش کی نہ کیوں زوروں پر
کس لطف سے دونوں وقت اُڑاتا ہے ہر ایک — اخباروں کی حاضری کتابوں کا ڈنر[له]

(۱۸۰)

وَرزش کی سعا میں جب نسیمِ سحری — لائے گی دیارِ عیش سے خوش خبری
روزانہ لگا کے حُسنِ صحّت کے پَر — ناچے گی پرستانِ ریاضت کی پَری

(۱۸۱)

بشّاش ہو قلب۔ منشرح سینہ ہو — ہر عُضو میں عافیت کا گنجینہ ہو
ہر صُبح کو آئینہ رہے پیشِ نظر — تا صورتِ حالِ صحّت آئینہ ہو

(۱۸۲)

تحقیق کے پھول پر یہ دیتے جی ہیں — ہو گُلشنِ عقل جس جگہ راضی ہیں
کرتے ہیں یہ شہدِ علم حاصل شب و روز — معقول پسند شہد کی مکھی ہیں

له شام کو بڑا کھانا۔

(۱۸۳)

تعلیم کی میزان میں ہیں تُلتے جاتے
ہیں جوہر طبع روز کھُلتے جاتے
ہے عقل کی بزم عالموں سے روشن
خود گرچہ ہیں مثلِ شمع گھُلتے جاتے

(۱۸۴)

جب وضع کتاب خانہ سینوں میں نہیں
جو ہر ہے مکان میں، مکینوں میں نہیں
پہنچی ہے ہمیں سینہ بہ سینہ یہ بات
جو بات ہے سینوں میں سفینوں میں نہیں

(۱۸۵)

عالم ہے کتاب خانۂ ربانی
ہر ایک کتاب ہے یہاں لاثانی
ہیں سائر انواع و حواشی و شروع
اور متنِ متین صحیفۂ انسانی

۱۸۶

اس دیر میں ہیں اگر ترے جمع حواس
بجھ جائے گی باتوں باتوں میں عقل کی پیاس
ہے ان صنموں کی دھوئی کوثر کی زبان
ہر بات ہے ان بتوں کی شربت کا گلاس

(۱۸۷)

فردوسی ہر اک کھنڈر ہے پہنے جامہ
ہر پیڑ کے ہاتھ میں ہے طوسی خامہ
ہر برگ ہے شاہنامے کا سبز ورق
ہر اینٹ ہے جلد سرخ عبرت نامہ

(۱۸۸)

پودے ہیں ہماری ہم نشینی کرتے
اشجار ہیں نکتہ آفرینی کرتے
دنیا ہے کتاب خانہ عالم ہے کتاب
گزری ہے یہیں کتاب بینی کرتے

(۱۸۹)

کب کہتے ہیں ہم کہ سیم و زر ہم کو ملے
یا زیورِ الماس و گہر ہم کو ملے؟
ہو ہم کو کمال در بغل علم نصیب
تہذیب در آستین ہنر ہم کو ملے

(۱۹۰)

زر رکھتے ہیں کچھ نہ مال ہم رکھتے ہیں — پاس اپنے نہ کچھ جمال ہم رکھتے ہیں
بتلاؤ[1] ہے اُس کمال میں نقصاں کیا — نقصاں میں اگر کمال ہم رکھتے ہیں؟

(۱۹۱)

کچھ شک نہیں عقل سے ہے جہول او ظلوم — ہے علم سے عقل کی جہالت معلوم
شہبازِ نظر کو ہے تعاقب شب و روز — پنجے میں نہیں ہنوز کنجشکِ عُلوم

(۱۹۲)

طالب کبھی اپنا وقت کھوتا ہی نہیں — غافل کبھی تحصیل سے ہوتا ہی نہیں
آرام کہاں۔ لگا طلب کا جب روگ — ہے جس کو یہ دردِ سر وہ سوتا ہی نہیں

(۱۹۳)

لکھنے میں نڈر، نہ بولنے میں بے باک — کیوں کر ہو وہ منشی وہ مقرّر چالاک؟
بالفرض اگر ہو میر مچھلی بھی کوئی — غوطوں سے ذرا تو ہو چکا وہ تیراک

(۱۹۴)

انگلش میں ہے لہجہ ہی فصاحت کی کلید — مٹی نہ کریں اس کی فصاحت کی پلید
پنجابیوں سے کہہ دو کہ سیکھیں اگر — بنگالے کی حسینا سے زباں کی تقلید

---

[1] اس مضمون میں تعلّی کی تعلّی ہے انکسار کا انکسار۔ ادنیٰ تأمل کی ضرورت ہے۔

۱۹۵

ہے دولتِ قومی کو تجارت سے فروغ — اور اُس کو صناعت و زراعت سے فروغ
ہر کام میں ہے فنونِ دانش کی بہار — ہر پیشے میں ہے فنونِ حکمت سے فروغ

(۱۹۶)

خامہ کہ ہے خوش نگار باغوں کی طرح — ہر وقت ہے ہوشیار زاغوں کی طرح
اس کے دلِ پُر داغ میں نالے ہیں بھرے — نالوں میں بھرا ہے درد داغوں کی طرح

(۱۹۷)

واقع نہیں گر نفس میں خلقت کا بگاڑ — ہے شہرِ دل آباد۔ ہو بستی کہ اُجاڑ
تعلیمِ خفیف بھی۔ ہے اعلیٰ تعلیم — سچ ہے وہ مثل کہ تنکے اوجھل ہے پہاڑ

(۱۹۸)

ہے جس کی سرشت میں سفاہت کا میل — لے جائے بہا کے گرچہ تعلیم کا سیل
اور کھائے پڑا اگرچہ برسوں غوطے — نکلے گا تو ہوگا پھر وہی بیل کا بیل

(۱۹۹)

ہر چند دنی کو علم حاصل ہوگا — پھر پھر کے دنائت پہ وہ مائل ہوگا
اسلاف کے آگے نہ جھکائے گا وہ سر — مشکل سے خدا کا بھی وہ قائل ہوگا

(۲۰۰)

جس علم سے اچھوں کی ہو خوبی ظاہر — ہو اُس سے رذیلوں کی بُرائی ظاہر
ہے دخلِ عظیم علم میں طینت کو — میووں میں ہے تاثیر زمیں کی ظاہر

تمدّن

(۲۰۱)

ہے طبعِ بشر میں عشق[1] ہی وہ قوت — مشہور ہیں جس سے مَدَنِیُّ الطَّبِیعَة
بے اس کے خراب ہوں تمدّن[2] کے امور — الحق کہ ہو باطل اجتماعی ہیئت

(۲۰۲)

ہے عشق سے دفعِ ضار و جذبِ المرغوب — ہے عشق سے رفعِ غم حصولِ المطلوب
پر شرط ہے یہ ہو عشق پر غالب عقل — غالب ہو فساد عقل ہو گر مغلوب

(۲۰۳)

اِس عشق سے ظاہر ہے الٰہی حکمت — اِس عشق میں مُضمر ہیں ہزار رحمت
ہے موجبِ جلبِ نفع و رفعِ زحمت — واجب ہے بہ قدرِ واجب اس کی حُرمت

(۲۰۴)

گر حوصلہ عاشقی کا اِنسان کرے — معشوق پہ بے عُذر فدا جان کرے
صادق نہیں عاشقِ وطن کا دعویٰ — جب تک نہ ہزار جان قربان کرے

---

[1] یہاں عشق سے وہ عام جاذبۂ اُلفت مراد ہے جو افرادِ بشر کو گھروں، گانوؤں، قصبوں، شہروں اور دوسری آبادیوں میں مجتمع اور ہر ویرانے اور آبادی میں ایک دوسرے کی ہمدردی اور اعانت پر مجبور کرتا ہے۔

[2] تمدّن میں سیاست اور معاشرت اور تمام معاملات داخل ہیں۔

ہے قوم کا عشق نیک خوئی کی دلیل — عادات تمدّن کی نکوئی کی دلیل
ہے اپنے وطن[1] کا پان کا سا نقشہ — عشق اُس کا ہے ہمارا سرخ روئی کی دلیل

(۲۰۶)

ہے بحرِ[2] محبّت میں یہ افرادِ بشر — امواج کے جو گرد بندھے ہیں چکّر
نزدیک میں حسبِ قرب ہے موج کا زور — ہے دُور میں حسبِ بُعد کم زورِ اثر

(۲۰۷)

اخلاق کے عنصر ہوں اگر اصل مزاج — جو قوم ہو۔ ہو کبھی نہ محتاجِ علاج
ہو اُس سے ہمیشہ خرقِ عادت کا ظہور — حاصل ہو اُسے عمرِ ابد کی معراج

(۲۰۸)

اخلاق کا اعتدال ہے صحّتِ قوم — صحّت ہے بنائے ہمّت و جرأتِ قوم
ہے ہمّت و جرأت کا تقاضا ثروت — ثروت ہے عمادِ عزّت و وقعتِ قوم

(۲۰۹)

مقرون جب اتفاق سے ہو ہر بات — ممکن ہے کہ اقوام میں حاصل ہو ثبات
ہر ملک میں افراد ہیں شکلِ اعضا — ہر قوم میں اتفاق ہے روحِ حیات

---

[1] اپنا وطن ہندوستان ہے اور یہ ایک مشہور بات ہے کہ نقشوں میں وہ پان کی شکل نظر آتا ہے۔

[2] یہ شاعرِ مشہور پوپ کے ایک قولِ مقبول کا ترجمہ ہے جس کی لطافتِ تشبیہ ظاہر ہے۔

(۲۱۰)

ایرانی فصاحت اور حجازی غیرت   یونانی بلاغت اور رُومی حکمت
تُرکا نہ جلادت اور چینی صنعت   جس قوم میں عام ہو، ہے قومی عزّت

(۲۱۱)

ہیں صاف دروں جو سر برآوردۂ عہد   کرتے ہیں وہ کارِ خیر میں کوشش و جہد
ہستی کے وہ ہر پھول سے ہیں فیض رُبا   باتوں میں بھرا ہے اُن کی اخلاق کا شہد

(۲۱۲)

ہے یہ جو ہزار طاق کا قصر بلند   جس پر کہ ہے نُہ رواق کا قصر بلند
آتی ہے ہر اِک سنگ سے اُس کے آواز   یارو! یہ ہے اتفاق کا قصر بلند

(۲۱۳)

گو پاؤں رواں ہوں یا کرے سر حرکت   مقرون بہ اتفاق ہو ہر حرکت
شائستۂ اُمم میں ہے تخالف بھی وفاق   ہے اُن کی محیطِ[۱] دائرہ پر حرکت

(۲۱۴)

مرغوب ہو گر تم کو عمومی شاباش   ہر طرح کرو دولتِ دُنیا کی تلاش
ہیں قوم میں مدّعی ولایت کے بہت   افسوس! نہیں ولایتی عقلِ معاش

---

[۱] محیط دائرہ پر ایک مقام سے دو آدمی مخالف جہت میں حرکت کریں تو چلتے چلتے پھر وہ موافق جہت میں حرکت کرنے لگیں گے اور ابتدا میں اگرچہ دُور ہوتے جاتے ہوں مگر پھر قریب ہونے لگیں گے۔ پس اس مثال میں مخالفت میں موافقت ہے اور بُعد میں قُرب۔

(۲۱۵)

زرکش ہو، زر اندوز ہو، زر ریز بھی ہو — حق گو ہو جفاکش ہو سحر خیز بھی ہو
ذی علم ہو باخبر ہو بس تیز بھی ہو — یہ کس نے کہا کہ تاجر انگریز بھی ہو؟

(۲۱۶)

کشتیِ معاملہ کا کھینا سیکھو — تدبیر کی کل سے کام لینا سیکھو
منڈی میں تجارت کی جو چاہو شہرت — جی کھول کے اشتہار دینا سیکھو

(۲۱۷)

اب کیوں ہو کساد سے تجارت کو بیک؟ — ہے سارے فساد سے نظام اُس کا پاک
چکّر میں ہے بیوپار کا پُر جوش لہو — ہے گردشِ خوں تمدّنی جسم میں ڈاک

(۲۱۸)

وہ ڈاک کہ سر بہ مُہر اُترے تھیلے — مضبوط، سبک، وسیع، گو کچھ میلے
غم، حوصلہ، شوق، اُمید، ڈر، شکر، گلہ — تھیلوں کو جو کھول دیں تو گھر گھر پھیلے

(۲۱۹)

پھیلی ہوئی ہر روش میں ہے علم کی بیل — گلزارِ تجارت میں بھی ہے علم کا کھیل
بھجواتا ہے علم کہربا تار پہ نرخ — کھنچواتی ہے مال جَرِّ اثقال سے ریل

(۲۲۰)

کیا خوب طلسم سلطنت کی ہے بہار — انواعِ مضامیں سے ہیں صفحے گلزار
دل کش ہے فضول داستاں کی تقسیم — بستانِ خیال ہیں یہ یونی اخبار

(۲۲۱)

بھرتے ہیں نہنگ[1] کولے اور پانی پیٹ　　ہے سینکڑوں ہی گز ان کے پیٹوں کی لپیٹ
کیوں مُنہ سے نہ سات آسماں پھیلائیں　　جب پیٹ سے لیں سات سمندر کو لپیٹ

(۲۲۲)

پھیلا ہوا بارُود کا پُرشور دُھواں　　گونجا ہوا توپوں کی گرج سے میداں
تھرّائی ہوئی فیر کے صدمے سے زمیں　　بھونچال کا باوا ہے یہ پیکار کہاں؟

(۲۲۳)

تقلید کو کیا ضرور تقییدِ عیُوب　　کیوں کرتے ہو ہر فعل سے تائیدِ عیُوب
انگریزوں میں آخر ہیں محاسن[2] بھی بہت　　ہے موجبِ ریشخند تقلیدِ عیُوب

(۲۲۴)

ہیں مُلکِ فرنگ میں جو با استعداد　　دیتے ہیں بیاں سے قابلیّت کی داد
لیتے ہیں لساں سے سناں کا وہ کام　　کرتے ہیں قلم سے فتحِ اقلیمِ مُراد

(۲۲۵)

تصنیف سے اپنی گنجِ گوہر ہے کوئی　　تالیف سے اپنی مخزنِ زر ہے کوئی
ہے دفترِ تصنیف کہ کانِ اکسیر؟　　ہے نوکِ قلم کہ کیمیا گر ہے کوئی؟

۱؎ نہنگ سے یہاں اسٹیمر یعنی دُخانی جہاز مُراد ہیں۔

۲؎ محاسن، اور ریشخند میں ایہام اور موجب میں ضمن اللفظ کی خوش نکاتیاں ہیں۔

(۲۲۶)

لکھنے میں سوانح کے امین ہیں انگریز
ہر حال میں اپنے نکتہ چیں ہیں انگریز
اعمال ہیں اپنے ذرّہ ذرّہ لکھتے
آپ اپنے کرام کاتبین ہیں انگریز

(۲۲۷)

یورپ کی ولایت میں ہیں جتنے مشغول
کھاتے ہیں ہوا وہ روز حسب المعمول
کر دیتا ہے باغ عامہ[1] ان کو ہرا
ہوتے ہیں وہ جب وفور محنت سے ملول

(۲۲۸)

ہر چند ہیں انگریز وطن پر مرتے
لیکن نہیں کچھ سیر و سفر سے ڈرتے
پھر چل کے ہیں زر سے جیب دامن بھرتے
نام اپنی ولادیت کا ہیں روشن کرتے

(۲۲۹)

زرکش ہو زر اندوز ہو زر ریز بھی ہو
حق گو ہو جفا کش ہو سحر خیز بھی ہو
ذی علم ہو با خبر ہو گو تیز بھی ہو
تاجر وہی پورا ہے جو انگریز بھی ہو

(۲۳۰)

کیوں کر نہ ہو مرکز توجہ اخبار؟
کیوں کر نہ ہو اخبار تمدن کا مدار؟
کتنے ہیں ولایت میں اڈیٹر و ژرنا
کتنے ہیں مشیر اور سفرا نامہ نگار

---

[1] عام نزہت گاہ جیسے کلکتے میں ایڈن گارڈن یا حیدر آباد میں باغ عامہ۔

(۲۳۱)

صنعت کہ ہیں جس میں اہلِ یورپ استاد ہے اُس سے عجیب کیمیا کی ایجاد
چاندی کی ہے کیا اصل؟ نہیں لطف ہے جب سونے سے ہو جوہر میں زیادہ فولاد

(۲۳۲)

چمڑے کی بھی کوئی اصل ہے لیک ہنر اس خام کے حق میں بھی ہے اکسیر اثر
چاندی نہ ہو کیوں اس کی نظر میں ہلکی؟ میزانِ خرد میں جب ہو ہم پلّۂ زر

(۲۳۳)

جو کرتے ہیں کشتِ نیچریت میں چرا جب کرتے ہیں بحثِ خلق میں چون وچرا
میموں کو بناتے ہیں کبھی اپنا بزرگ اشجار سے ہیں کبھی ملاتے شجرا

(۲۳۴)

یہ طبع پرست جو کہ ہیں حرص پرست حیواں کی طرح ہیں حوصلے ان کے پست
کوثر انہیں بار[۱]، بار میدہ[۲] حوریں اس درجہ ہیں یہ شرابِ غفلت سے مست

(۲۳۵)

ہے جینے کا، کہتے ہیں مزا تا لبِ گور بندھنا نہیں زخمِ جاں کا گویا انگور
ہیں عقل پرست روبہِ کوتہ دست انگورِ جناں ہیں اُن کو کھٹے انگور

---

۱ شراب کی ولایتی دوکان۔

۲ وہ عورتیں جو دکانوں پر ولایتی انداز سے شراب بیچتی ہیں۔

(٢٣٦)

یاں سالک و مجذوب کا یکساں ہے سلوک — مذہب کی طرف سے کُل دلوں میں ہیں شکوک
بوتل کی ہے پیاس اور ہوٹل کی ہے بھوک — حق یہ ہے کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوکِ

(٢٣٧)

انگریزوں سے جو مُعاشرت کرتے ہیں — مفتوح درِ مُناکحت کرتے ہیں
رکھتے نہیں کچھ مواکلت سے پرہیز — مشروب میں بھی مشارکت کرتے ہیں

(٢٣٨)

مُصلح ہیں جو ہم میں فردِ کامل کی طرح — ہے اُن کی زبان سے الگ نل کی طرح
ہیں گرچہ زباں پہ چکنی چکنی باتیں — دل میں ہے بھری سیاہی پنسل کی طرح

(٢٣٩)

آنکھوں پہ رہے شب کو پڑا پردۂ نوم — اور پیٹ کے دھندوں میں کٹے اکثر یوم
پھر بیسیوں عورتوں سے دل ہو اٹکا — اُس مُرغے کی بھی زباں پہ ہو حُبُّ القوم[١]

(٢٤٠)

غیرت میں، کیاست میں، شجاعت میں ہو فرد — ہمّت میں، مروّت میں عبادت میں ہو مرد
لالچ سے، مشیخت سے، تعلّی سے ہو دور — اتنا ہو کوئی تو قوم کا ہو ہم درد

---

١ حُبّ القوم اس آواز سے بہت قریب ہے جو مُرغے منہ سے بانگ دیتے وقت نکلتی ہے

(۲۴۱)

اس وضع میں کیا شانِ حکومت کی ہے سیر ہو جاتی ہے ڈر سے کتنوں کی حالت غیر
ہر شر سے بچاتا ہے یہ ہنگام سفر کیوں کر نہ منائیں کوٹ پتلون کی خیر؟

(۲۴۲)

مصلح کی ہر ایک مصلحت ہے اک جھوٹ مفسد ہے ہر ایک مشورت ہے اک پھوٹ
تنتا ہے غرورِ کوٹ و پتلون میں غضب ہمیزِ سمندِ ناز ہے جن کی بوٹ

(۲۴۳)

گھر والوں کو مشکل ہو جسے خوش کرنا خوش جس سے نہ ہوں شہر کے پیر و برنا
جس سے کہ نہ ہمسائے ہوں دم بھر راضی کیا جانے وہ دم عشقِ وطن کا بھرنا

(۲۴۴)

کم دیتی ہے لوح دل کو کالا تعلیم رکھتی ہے اثر ہم پہ نرالا تعلیم
ادبار کے باعث ہے ترقی معکوس اسفل کو لئے جاتی ہے اعلیٰ تعلیم

(۲۴۵)

ادبار میں تدبیر کی چلتی ہی نہیں ثروت کی کوئی شکل نکلتی ہی نہیں
ہے کاسۂ تقدیر میں دولت کی دال تدبیر کی اس میں دال گلتی ہی نہیں

(۲۴۶)

جاتے ہیں جدھر اسی طرف ٹکر ہے ادبار میں عافیت رفو چکر ہے
پڑتا نہیں منھ میں ایک دانہ اڑ کر چکی کی طرح گرچہ سدا چکر ہے

(۲۴۷)

ہے چرخ فنوں پہ مہرساں جن کو سلوک
ہیں گردشِ افلاک سے اکثر مفلوک
خورشید بھی ہے اُس کی شہادت دیتا
روشن ہے یہ مضمون کہ لِلشّمس دُلوک[1]

(۲۴۸)

اِس دَور میں کالوں کو ترالے غم ہیں
کالوں کی طرح ڈرانے والے غم ہیں
ہے ہِند کے نام کی رعایت شاید
گھیرے ہوئے ہم کو کالے کالے غم ہیں

(۲۴۹)

ہم عُہدوں پہ سلطنت کے مامور نہیں
پھر ہم میں مقابلے کا مقدُور نہیں
ہے اب تو کچھ اختیار سے باہر بات
مجبور ہیں ہم، اگرچہ مجبور نہیں

(۲۵۰)

بازارِ تجارت میں ہیں دَلّال سے ہم
میدانِ زراعت میں ہیں پامال سے ہم
صنعت پہ ہے آجکل کلوں کا قبضہ
حکمت کے دیار میں ہیں کنگال سے ہم

(۲۵۱)

رکھتی نہیں یہ نقشِ تجارت کا اثر
پھیلاتی نہیں مُلک میں اخبار و سیَر
ہے ہم میں اسے بس مرض و مرگ سے بحث
آفت کی خبر ہے تار برقی کی خبر

---

[1] لِلشّمس دُلوک یعنی آفتاب کو زوال ہے۔

(۲۵۲)

دکھتا ہے عجیب کشورِ ہند آفاق چھائی سبھی جا ہے ظلمتِ شامِ نفاق
دہقانی و شہری ہیں سبھی وقفِ خلاف ہر چند ہے مقتضیٰ تمدن کا وفاق

(۲۵۳)

بے فیض ہیں برہمن، معاند چھتری ظالم ہیں یہ راجپوت، اظلم کھتری
پاتے ہیں غریب اُس کے سائے میں پناہ ہے اُن سے ہزار درجہ بہتر چھتری

(۲۵۴)

اسلام کی قوم پر مرض ہے طاری ہر عضو پہ ہے حکم مرض کا جاری
ہیں پاس کھڑے سارے اطبا مایوس کھولے ہوئے یاسیں ہیں سرہانے قاری

(۲۵۵)

بحران میں ہے گرچہ اُمتِ مصطفوی پر شکر کی جا ہے کہ طبیعت ہے قوی
غالب ہے کہ ہو جائے گا مغلوب مرض ہو جائے گی اصلاحِ شیونِ حیوی [۱]

(۲۵۶)

لوگوں کے خیالات میں ہے کیوں یہ جمود؟ کیا پیش نہیں مسئلۂ نام و نمود؟
آئیں یہ نکل زاویۂ عزلت سے قائم یہ کریں ہمتِ عالی کا عمود

---

[۱] وہ باتیں جو حیات سے متعلق ہیں۔

(۲۵۷)

جنگلی بھی ہیں بنگالے کے شہری کی طرح
چھائے ہیں یہ ہر جگہ کچہری کی طرح
مستول پہ ہمّت کے جہاں ہو طوفاں
چڑھ جاتے ہیں کم بخت گلہری کی طرح

(۲۵۸)

پڑھ لکھ کے مہذّب ہیں جو بابو بنتے
ہیں علم سے سربسر وہ قابو بنتے
راہوں میں طلب کی دَوڑ کر صورتِ سیل
کوشش کے چمن میں ہیں پچکابو بنتے

(۲۵۹)

اعیان بنی عیش کے ہیں عینِ عیُوب
ہے ایک انھیں عینِ عیش اور عینِ عیوب
ظاہر میں ہیں گرچہ قرّۃ العینِ پدر
معنیً ہیں ولیک قرّۃ العینِ عیوب

(۲۶۰)

مشّاق ہیں خوب عشق کے کھیل میں ہم
اُستاد ہیں عشق بازوں کے میل میں ہم
تا عیش کے آگ بوٹ پر پال اُٹھائیں
ہیں گرمِ رحیل حرص کی ریل میں ہم

(۲۶۱)

احباب جو ہیں یہ لُولیوں سے مصروف
ہیں ظرفِ رذالت کے وہ گویا مظروف
بھول نہ کیوں ہوں چھوڑ کر اہل و عیال
کرتے ہی نہیں مُعاشرت بالمعروف

(۲۶۲)

ہے بگڑی ہوئی بہت شریفوں کی طرح
پیش آتے ہیں یاروں سے حریفوں کی طرح
ظاہر میں کریں گرچہ وہ شیریں سُخنی
باطن میں سیاہ ہیں شریفوں کی طرح

(۲۶۳)

کِس برتے پہ نوّاب ہو مشہور جہاں؟   کنکوّا، بٹیر اور کبوتر وہ کہاں؟
جانے دو نہیں پاس گرافیوں کی سند   دکھلاؤ لبِ جام پہ مینا کا دہاں

(۲۶۴)

آسیبِ[1] جہالت کہ شریفوں میں ہے عام   بگڑی ہوئی ہے شکل بھی اس سے تمام
کم رکھتے شگون و فال سے گر سروکار   اس باغِ جہاں میں یوں نہ ہوتے بدنام

(۲۶۵)

رِقّت کی ہے جا جو ہے کدورت ان کو   بتلائیں اطبّا کوئی صورت ان کو
اِسراف کے ہاتھوں ہیں یہ خوش حال تباہ   اِمساک کی بے شک ہے ضرورت ان کو

(۲۶۶)

میراث کی فکر میں نہیں جس کو قرار   لازم ہے کہ گرگسوں میں ہو اُس کا شمار
مرنے سے کسی کے اُس کو کیا ہو عبرت؟   مُردوں پہ ہو جس کے عیش کا دار و مدار

(۲۶۷)

دولت ہے سزاوارِ ملامت گویا   اِقبال نہیں وجہِ سلامت گویا
ایماں سے ہیں بے نصیب اکثر اُمرا   اِفلاس ہے ایماں کی علامت گویا

---

[1] اس رباعی کی ٹہنی میں سیب، شریفہ، آم، بہی، کمرکھ، فالسہ چھ پھل مذاقِ سلیم کے لئے لگے ہیں۔

(۲۶۸)

اسلام میں دولت ہے ملامت گویا
ایمانِ غنی نہیں سلامت گویا
مفلس ہی کو کچھ دولتِ ایماں ہے نصیب
اِفلاس ہے ایماں کی علامت گویا

(۲۶۹)

دولت نہیں جب تک یہ زبوں رہتے ہیں
محرابِ دُعا میں سر نگوں رہتے ہیں
آجاتی ہے جس وقت گھر اُن کے دولت
پھر گیا ہے یہ سرگرمِ جنُوں رہتے ہیں

(۲۷۰)

غفلت کے نشے میں کوئی سونا دیکھے
پل مارتے میں تباہ ہونا دیکھے
غافل اُمرا کی ہے یہ دولت کی مثال
جس طرح کوئی خواب میں سونا دیکھے

(۲۷۱)

کامل وہ جو تھے عہدِ دوانیقی[1] میں
اوقلیدس و جبروار ثماطیقی[2] میں
اُستاد ہیں اب ریاضیِ اُلفت کے
مشّاق ہیں عاشقی کی موسیقی[3] میں

(۲۷۲)

میدانِ ترقی میں ہیں آگے اُمرا
طے کر چکے ہیں تمام زینے اُمرا
عشرت کے فنوں میں سب کے سب ہیں کامل
ہیں کس یونیورسٹی کے اِم اے اُمرا؟

---

[1] منصور دوانیقی خاندان عباسیہ کا دوسرا خلیفہ جس کے عہد میں مسلمانوں میں ریاضی کے بڑے بڑے کاملین موجود تھے۔ [2] فن حساب۔ [3] موسیقی بھی ریاضی کا ایک شعبہ ہے۔ اور اب ہماری ریاضی دانی بہت کچھ اسی پر موقوف ہے۔

(۲۷۳)

ہیں شہروں میں مشتہر جو یہ نیم حکیم
اخلاق کے رُو سے اُن کی حالت ہے سقیم
ہے یاں کوئی عیاش رئیس الاعضا[۱]
سنتے ہیں اُسی کے ہیں یہ عیار ندیم

(۲۷۴)

جب داغِ کلفت ہے مُنہ کی رونق کھوتا
اور قلبِ حزیں ہے اپنا دکھڑا روتا
امرودھے کے شیخ سدّو کی صورت میں
قحبہ یہ بڑھاپا ہے مسلّط ہوتا

۲۷۵

لٹھڑے کے کبھی یہ بے دھڑک اُٹھتے ہیں
بجلی کی طرح کبھی کڑک اُٹھتے ہیں
آفت ہیں یہ قُل اعوذ بے ملّانے
بارود نہیں مگر بھڑک اُٹھتے ہیں

(۲۷۶)

استنجے میں جو لوگ غلو کرتے ہیں
ڈھیلوں پہ جو سخت گفتگو کرتے ہیں
پیشاب کو جو لوگ بتاتے ہیں نجس
پیشاب سے لوٹے کے وضو کرتے ہیں

(۲۷۷)

شیخی کی وہ لیں، ضرور لیں، بے شک لیں
مسجد نہیں قصرِ خلد میں گو شک لیں
معنیِ ٹکلوا کی ہے یہ ساری تفسیر
شکلیں ہیں یہ جتنی اکل کی ہیں شکلیں

---

[۱] وہ عضوِ رئیس جس پر بقائے نوع منحصر ہے لیکن جس کا زیادہ تر استعمال بیہودہ عیاشیوں میں ہوتا ہے۔

(۲۷۸)

ہے حلقۂ دامِ حلق کا حلقہ بگوش
ہے طبلِ شکم سے صید گاہوں میں خروش
ہے چولھے میں بھوک نے یہ بھڑکائی آگ
ہانڈی میں ہے گرم جوششِ معدہ سے جوش

(۲۷۹)

تصنیف پہ راغب ہو اگر طبعِ ضعیف
ہر صفحے میں ہوں درج مضامینِ سخیف
اصلا نہ ہو اس میں حق و باطل کی تمیز
حق کھو کا سزاوار ہو حق التصنیف

(۲۸۰)

کرنے ہی کو ہے یہ بحث ممنوع نہیں
ہے یہ بھی کوئی وضع کہ موضوع نہیں
چھپوائی ہے زورِ طبع دکھلانے کو
مطبوع تو ہے ولیک مطبوع نہیں

(۲۸۱)

ہے فیضِ ازل سے جن کی طینت طاہر
اور ہیں وہ فنونِ شاعری میں ماہر
ہو جاتے ہیں پاکیزہ خیالات اُمَم
کرتے ہیں خیالات جب اپنے ظاہر

(۲۸۲)

سر فکرِ خوش آب سے ہے سرچشمۂ آب
یہ پانچ حواس ہیں خیالی پنجاب
ٹوپی نہیں سر پہ ڈوب کر گر دیکھو
ذریلئے خیالات سے اُبھرا ہے حُباب

(۲۸۳)

ہے باغِ مُعاشرت کی تزئیں معقول
تحسیں میں ہے نخل بندِ قدرت مشغول
ہر شاخ ہے اخلاق کی کلیوں سے لدی
ہر گُل ہے خوش اخلاقیوں سے خوش بو پھول

(۲۸۴)

اولاد کا عیش مہرِ مادر ڈھونڈے　　ہر حال میں دن رات برابر ڈھونڈے
پائے گا نہ اُس مہر کا دُنیا میں جواب　　سُورج بھی اگر چراغ لے کر ڈھونڈے

(۲۸۵)

یہ بات عجب نگاہ میں آئی[۱] ہے　　ہر طرح سے جو خیال کو بھائی ہے
یوں کوئی ہو لاکھ اپنے گھر میں یوسف　　بھائی ہے ادا جس کی وہی بھائی ہے

(۲۸۶)

بوڑھوں کی ہیں کم اگرچہ مائیں موجود　　پھر بھی نہیں مادری محبت مفقود
مافات کی مالوف تلافی کے لئے　　پاتے ہیں وہ لڑکیوں میں اُلفت کا وجود

(۲۸۷)

زر کا ہے جبکہ ہر زماں ہم دردی　　زندہ ہے کہاں کرے جو ماں ہم دردی ؟
اس درد کی لڑکیوں سے ملتی ہے دوا　　کرتی ہے جو پیری میں جواں ہم دردی

(۲۸۸)

ہر عیب ہے فرزندوں کا آنکھوں میں ہُنر　　بے نُور بھی صورت سے تو ہے نورِ نظر
کالا نظر آتا ہے تمھیں بچۂ زاغ　　کوّے کی نظر میں ہے وہی کُحلِ بصر

۱؎ آئی انگریزی میں آنکھ کو کہتے ہیں۔ اسی لئے نگاہ کے مناسب ہے۔

(۲۸۹)

فرزند رشید ہیں جواں ہونے کو افعال سے ہیں آفتِ جاں ہونے کو
ہر فخر سے خانداں میں آتے کو ہے ننگ ہر ننگ ہے فخرِ خانداں ہونے کو

(۲۹۰)

شادی میں ہے ایک پر قناعت لازم اُس ایک سے اخلاص و محبت لازم
گر دل کو ہے حُسنِ خانہ داری مقصود ہر حال میں ہے حُسنِ رعایت لازم

(۲۹۱)

مطلوبہ حسین و مہر پرور بھی ہو اخلاق کے عطر سے مُعطّر بھی ہو
کم یہ بھی نہیں ہے دل فریبی کو مگر کیا خوب ہو گر علم کا زیور بھی ہو

(۲۹۲)

اخلاق کے ذات میں جو اوصاف رہیں پڑھنے سے خیالات جو شفّاف رہیں
انصاف کے محکمے میں از روئے کمال ہر قسم کی بیویاں بہتر ہاف[۱] رہیں

(۲۹۳)

ہے بیوی ہی راہِ زندگانی میں انیس ہے بیوی ہی منزلِ مشقّت میں جلیس
بے چین ہو دل تو ہے مُفرّحِ معجوں زخمی ہو اگر جسم تو مرہم ہے نفیس

---

[۱] بہتر نصف۔ اصطلاح انگریزی میں بیوی کو کہتے ہیں۔

(٢٩٤)

خوش روئی و خوش پوشی و خوش ترکیبی ہر چند نہ ہو، رکھتی ہو خوش تہذیبی
اخلاق کی شان ہو اگر شہد فروشی ہے شہد کی مکھیوں سے بڑھ کر بی بی[1]

(٢٩٥)

بی بی ہے کبھی غمِ فزاینده کی ہے شکل جہاں میں نامِ پاینده کی
رکھتی ہے یہ قوت کے ہزاروں کمرے بارک ہے یہ فوجِ نسلِ آینده کی

(٢٩٦)

قسمت سے اگر نیک سیر ہے بی بی اور علم کا جانتی ہنر ہے بی بی
بچوں کے لئے مہد سے لے کالج تک اک آنرری پروفیسر ہے بی بی

(٢٩٧)

شایاں ہے جوانوں کی ہدایت کرنی واجب ہے بزرگوں کی حمایت کرنی
معمول ہے لڑکوں پہ عنایت کی نظر ہر عمر کی لازم ہے رعایت کرنی

(٢٩٨)

پان، چھالیا، کتھا، چونا سب ہیں مسالے لپٹے ہیں گلوریوں میں اُلفت کے راز
اوراقِ محبت کا یہ شیرازہ ہے ہو لونگ[2] کی خضر کی طرح عمر دراز

---

[1] بی بی دو بی سے مرکب ہے - اور بی انگریزی میں شہد کی مکھی کو کہتے ہیں - تو ایسی بی بی جو اخلاق کی شان میں شہد فروشی کرتی ہو لفظاً و معنیً ہر طرح شہد کی مکھیوں سے بڑھ کر ہوئی -

[2] لونگ انگریزی میں دراز کو کہتے ہیں - پس اس کی درازیٔ عمر کی دعا خالی از لطف نہیں -

(۲۹۹)

حُقّہ جو کرے مُعاشرت میں تائید
بیگانہ ہو خویش، ہو قریب اس کے بعید
ہو اس سے مسافرت میں بھی لُطفِ وطن
ہر شب ہو شبِ برات، ہر روز ہو عید

(۳۰۰)

ہے شوق کی کشمکش سے دلکش ہر کش
ہر کش کی کشاکش سے دُھواں ہے سرکش
ہے بحرِ مداد میں دمِ نقش کشی
حُقّے کی ثنا کا دُود کش عنبر کش

(۳۰۱)

ہے بہرِ زباں طاقتِ تقریری چائے
ہے بہرِ قلم قوّتِ تحریری چائے
جاڑوں میں ہے کشتِ زعفران صحّت کو
ہر شہر و دیار میں یہ کشمیری چائے

(۳۰۲)

پیری میں مٹاتی ہے غمِ پیری چائے
رکھتی ہے عجب قوّتِ تاثیری چائے
معمولی سے تخت پر بنا دیتی ہے
کشمیر کا بادشاہ کشمیری چائے

(۳۰۳)

چڑھتا ہے چُرٹ سے گر تو چسکی بھی نہ چاہ[1]
کر، چاہے ہو نیچہ کے چلم داخل چاہ
چسکہ کا ہو چسکا نہ چُرٹ کا چرچا
چو گرد ہو چائے چو طرف چائے کی چاہ

---

[1] اس میں صنعت الٹرامیشن ہے۔ یعنی التزاماً ایسے لفظ لائے گئے ہیں جو ایک ہی حرف سے شروع ہوتے ہیں۔

(۳۰۴)

ہے چائے کی سبز پتّیوں کی کیا بات — گویا ہیں چھپے خضر میانِ ظلمات

دل مُردہ دلوں کے زندہ ہو جائیں گے — تقدیر سے گر اُبل پڑا آبِ حیات

(۳۰۵)

بیہودہ شراب پی کے کیوں شور مچایئے؟ — اس فتنے سے کیوں نہ اپنی صحت کو بچایئے؟

چاہے کوئی گر تو اس طرح عیش سا رچائیے — احباب ہوں بیٹھے ہوئے چلتی رہے چائے

(۳۰۶)

شیریں سخنی کیا کریں بیٹھے کلال — اس شربتِ تلخ سے ہو کیا رفع ملال؟

فتوائے خرد سے ہے وہ شئے آبِ حرام — ہر دور میں خوں ہے جس کو صحّت کا حلال

(۳۰۷)

ہے شکل سے اپنی یہ بتاتا گلنر[۱] — وہ جو ہے نگاہِ بادہ کش میں گُلِ تر

پینے کا مضائقہ نہیں ہے لیکن — بہتر ہے کہ اس کام کو رکھو کل پر

(۳۰۸)

جھولے پہ نشے کے یوں نہ ہر دم جھولے — گرمی نے پھلایا ہے نہ اس پر پھولے

اِس پھولنے سے پھل کی بھلا کیا اُمّید — پیشاب سے جس طرح مثانہ پھولے

۱؎ ایک مشہور ولایتی شراب فروش۔

تفنّن

(۳۰۹)

جمگھٹ ہے غضب، عجب پنگھٹ ہے یہ چاہ   دل ڈول ہے اور اُس کی رسّی ہے نگاہ
آنکھیں ہیں یہ دو سفید چینی کے گھڑے   شیشے کے ڈھکے میں جن پہ سر پوش سیاہ

(۳۱۰)

پنہاری کے سر پہ ہے چمکتا گاگر   یا ہے شبِ گیسو میں دمکتا اختر
ہے بس کہ قریب جنّتِ عارض سے   کیا دُور اگر یہی ہو حوضِ کوثر

(۳۱۱)

پنہاریاں ہیں سر پہ لئے گنگا جل   جاتی ہیں چلی کرتی ہوئی سب چھل بل
جُنبش ہے گھڑوں میں اور نہ پانی میں ہلکان   ہر چند کہ بجلی کی طرح ہیں چنچل

(۳۱۲)

ہے شاہدِ آب کش سے پنگھٹ پہ بہار   وہ آب کشی وہ اُس میں جوبن کا اُبھار
وہ سر پہ گھڑا، ادا سے گردن میں وہ خم   چھل بل وہ ادائیں اور وہ چنچل رفتار

(۳۱۳)

افتاد[1] کی کچھ خبر نہیں کچھ ہی ہو فال | کمرے میں ہم اُس کے جاتے ہیں کہنے حال
یعنی ہمیں اے کشیدہ قامت تو نہ ٹال | دل زُلف میں رکھ کہ گوے دچوگان کس د و بال

(۳۱۴)

مت[2] نام تم اُن نیچی نگاہوں کا لو | اُٹھ جائیں تو ہر کے ہاتھ میں برچھی ہو
کہتی صفِ عُشّاق ہے اُس سے دُو دُو | کچھ تُخمِ وفا بھی اے کماں ابرو بو

(۳۱۵)

عاشق[3] کو ہے حیرتِ نیلگوں چشم بلو | چھٹے تو سرلش سا ن نہ چھوڑے وہ گلو
ہو فارِ نگہ کو بھوک ہے دل کی سِی | بتلائے سُراغِ دل اُسے حکمِ کُلُوا

(۳۱۶)

یک[4] سر مئے عشق سے ہیں ہوش اپنے رم | سر تا بہ قدم زمزمۂ شوق ہیں ہم
ہم اُن کی گلی میں جاتے ہیں گو سو بار | صد حیف وہ خواب میں بھی آتے ہیں کم

---

[1] اس رباعی میں آئینۂ ایہام ولایتی خاکستر سے چمکایا گیا ہے۔ فال انگریزی میں گرنے کو کہتے ہیں اور ہال کمرے کو۔ ٹال کشیدہ قامت کو کہتے ہیں اور بال گوے کو [2] یہاں بھی وہی صنعت ہے۔ لو نیچی۔ ہو برچھی یا برچھی ہی کا سا کوئی اور آلہ۔ وصف۔ بو کماں۔ [3] یہاں بھی وہی بات ہے۔ بلو ایک شخص کا نام اور نیلگوں۔ گلو سرلش۔ سی دیکھنا مناسب نگاہ۔ کلو سراغ۔ [4] اس میں بھی وہی صنعت ہے۔ رم ایک قسم کی شراب۔ ہم زمزمے کی سی آواز۔ گو جانا۔ کم آنا۔

(۳۱۷)

کب قاصدِ خوش خرام یار آیا ہے؟ — کب پاس مرے پیامِ یار آیا ہے؟
ناصح ترے لب پہ گر کروں جان نثار — زیبا ہے کہ اس پہ نامِ یار آیا ہے

(۳۱۸)

ہیئت میں ہیں وہ گوہرِ دنداں اختر — ہیں پرلے[۵] ہی درجے کے وہ رخشندہ گہر
لب ریز سُہیل ہے تبسُّم کی جھلک — ہے وجہِ حُسن نمونۂ شمس و قمر

(۳۱۹)

ہر کس بہ زبانِ مادری حرف زند — دیں طُرفہ زبانِ ما ۔ دری حرف زند
گر خود بہ زبانِ مادری حرف زنیم — ند وصفِ زبانِ ما۔ دری۔ حرف زند

(۳۲۰)

تا چند نشینی اے برادر گلہ مند؟ — تا چند دریں فکر تو باشی دربند؟
با سوز و گداز ساز بر مجمرِ صبر — برخیز و بیفت و دل بسوزاں چو سپند

(۳۲۱)

ہر نا شدہ[۶] کہ بر نفوس است گراں — چوں شُد ہمہ آسان ست پئے بے جگراں
عمریست کہ اوست وقفِ بزمِ دگراں — ما خوے گرفتہ با دو چشم نگراں

---

[۵] پرلے میں ضمن اللفظ کا درج ولایتی موتی لئے بیٹھا ہے۔ حُسن نمونہ ان دو لفظوں سے برسبیل ضمن اللفظ سن اور مُون یعنی شمس و قمر اسی ترتیب سے نکلتے ہیں جس ترتیب سے رباعی میں مذکور ہیں ۔ ضمن اللفظ پر یہ ولایتی صیقل ہے۔ [۶] یہ پہلا شعر متبنّی کے اس شعر کا ترجمہ ہے۔ (شعر):
کلّ ما لم یکن من الصعب فی الانفس ٭ سہل فیہا اذا ہو کانا

(۳۲۲)

ہر لحظۂ عمر در غمش صد مدّت　　ہر نالۂ درد بر لبم قد مُدّت [۱ہ]
ہر نامۂ شوق بر دوش قد رُدّت [۲ہ]　　ہر جامۂ صبر در برم قد قُدّت [۳ہ]

(۳۲۳)

اے زلف تو مار پیچ حیرت آمیز　　وے روے تو خورشید صفت پر تو ریز [۴ہ]
وی فرقِ تو در طریق ما دست آویز　　دارم بہ رخت نگاہِ حسرت انگیز

(۳۲۴)

نحلے کہ ندانند ز زرِ قلب منی [۵ہ]　　گنجینہ بہ کامِ او کہ شہد یست ہنی
عقلش بہ ضیاے ہوش مہر یست سنی　　گویند ظریف طبع مُرغیست فنی

(۳۲۵)

اے در دو جہاں سرو قدرت را فر فر [۶ہ]　　وز جملہ جہانیاں سرت را سر سر
در دیدۂ ما کم از نگاہے نہ بود　　آید بہ نظر اگر خوش آیندہ کمر

۱ہ کھینچا گیا۔　۲ہ لوٹا دیا گیا۔　۳ہ چاک کیا گیا۔
۴ہ ریز بھول بھلیاں۔ مار پیچ راہ۔ ریز شعاعیں۔ ویز طُرُق۔ گیز نگاہِ حسرت و حیرت۔
یہ الفاظ بہ سبیل ضمن اللفظ نکلتے ہیں۔
۵ہ منی انگریزی میں روپیہ۔ ہنی شہد۔ سنی منسوب بہ سن یعنی آفتاب۔ فنی
منسوب بہ فن یعنی ظرافت و خوش طبعی۔
۶ہ فر انگریزی میں صنوبر۔ سر جس کا استحقاق نائٹ لوگوں کو ہوتا ہے۔ کمر آنے والا۔
اس رباعی میں خیالات پر ولایتی قلعی ہے۔

(۳۲۶)

گلگشت ہر غنچہ لب مسوں کو جائز — قد صٰرن[1] بزینہن فوز الفائز
در راہِ طلب تہ بوسہ ہا قافلہ — ہو نا یُسلی[2] نو زلپس انوائٹ کیز؟

۳۲۷

زیبا ہے کہ ہوں نثار لاکھوں شیلنگ[3] — وقتے کہ بناز بر نشینی بر خنگ
قد لک[4] کا لفصن خدود کالورد — ڈو لائک[5] ٹو لٹ می ہیو اے کس مائی ڈارلنگ
Do like to let me have a Kiss my darling.

این نامہ کہ خامہ کرد بنیاد
توقیع قبول روزیش باد

---
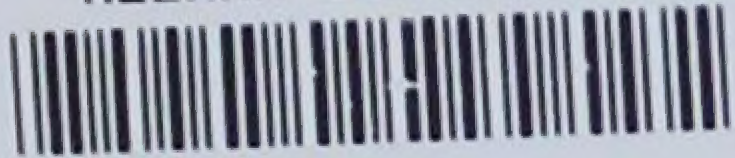
[1] اپنی زینت کے سبب مُراد والوں کی مُراد ہیں۔ [2] کس خوبی کے ساتھ وہ لب بوسوں کی دعوت کر رہے ہیں۔ [3] ایک انگریزی سکہ اٹھنی کا معادل۔ [4] تیرا قد ٹہنی کا سا وہ گال گُلاب کے سے ہیں۔ [5] اے میری پیاری مجھے ایک بوسہ دینا پسند فرما۔